

حیات

بڑے ہال نما لاؤنج میں وہ سات افراد آتش دان کے قریب بیٹھے تھے۔ یہ اس گھر کا سب سے بڑا گرم اور آرائشی حصہ تھا۔ آتش دان کے قریب ہی ایک طرف کھانے کی میز دوسری طرف کاؤچ اور سامنے ٹی وی اور آتش دان کے عین سامنے کاریٹ پر فلور کشن پر آڑے 'ترچھے' لیٹے بیٹھے وہ سب گیس لگا رہے تھے۔ کچھ ہی دیر پہلے معاذ نے لڑکیوں کے نہ نہ کرنے کے باوجود ٹی وی بند کر دیا تھا اس کا خیال تھا کہ اس ماحول کو

تکڑی



سامنسی آلات سے دور ہی رکھنا چاہیے۔ شاید وہ وکٹورین سر دیال انجوائے کرنا چاہتا تھا۔ وہ آتش دان کو تقریباً "دس بار تعریفی کلمات سے نواز چکا تھا۔" معاذ بھائی! جاتے ہوئے آتش دان اپنے ساتھ لے جایئے گا۔" جرار نے بھرپور سنجیدگی سے کہا۔ "ہوں۔ سوچ رہا ہوں کراچی والے گھر میں بنوا ہی لوں۔" معاذ جرار سے زیادہ سنجیدہ تھا۔

"اسے جلا میں گے کب؟" نمل حیران ہوئی۔

"جب موسم بدلے گا۔"

"موسم کب بدلے گا۔"

"ایک انگلش اخبار۔ کے مطابق دنیا کے موسم خطرناک حد تک تبدیلی کا شکار ہیں اور تیزی سے بدل رہے ہیں۔ اس رپورٹ کو پڑھ کر مجھے اندازہ ہوا کہ کسی بھی دن موسم تیزی سے بدل سکتا ہے اور کراچی میں برف باری ہو سکتی ہے۔"

"آپ سنجیدہ ہیں؟" حرا حیران ہوئی۔

"بالکل۔" ان کے چہرے کے تاثرات بھی سنجیدہ ہی تھے۔ "چاہو تو وہ اخبار پڑھ لو۔"

"یہ ایک دیوانے کا سانسجیدہ پن ہے۔ حرا! شامل گفتگو میں شریک ہوا۔

"شٹ اپ! معاذ کو نجانے کیوں غصہ آیا۔" دیکھ لینا ایسا ہی ہو گا۔"

"ہم زندہ ہوں گے نائب! شامل نے ہاتھ میں مونگ پھلیوں کو مسل کر معاذ کے منہ کے قریب لا کر پھونک ماری اور جھٹ سے منہ کھول کر ساری منہ میں ڈال لی۔



ایک ماہ پہلے معاذ کا دوست یہاں سے ہو کر گیا تھا۔ سبز پہاڑوں کے برف پوش پہاڑوں میں ڈھلنے کے قصے اس نے ایسے اور اتنے مزے لے لے کر سنائے کہ معاذ سے رہا نہ گیا۔ لاہور سے خالہ زاد شامل اور عرفان کو ماموں زاد جرار عمرا اور نعل کو اور پنڈی سے مدیحہ کو جو اس کی سب سے چھوٹی خالہ کی پندرہ سالہ بیٹی تھی اپنے ساتھ ملا لیا۔

”سوچو یا! کتنے پاگل نہیں ہم میں چھبیس سال کا ہونے والا ہوں اور اب یہاں آ رہا ہوں۔“

”لیکن میں صرف اٹھارہ سال کا ہوں۔ میں آپ سے کم پاگل ہوں۔“ جرار نے دانت نکالے۔ جب سے وہ مری آیا تھا یا اس کے دانت بخیر رہے تھے یا نکل رہے تھے۔

”تمہیں لایا کون ہے یہاں تمہارے لپانے تو پورے دو گھنٹے کا لیکچر دیا تھا کہ جنوری میں مت جاؤ۔“

”پا لوگوں کا یہی کام ہوتا ہے۔ چھوٹے انہیں یہ بتائیں۔ کیا میں نے کچھ کہا؟“

”تم نے کیوں اف کرنا تھا؟ جب تو میری خالی ہو رہی ہے۔“

”تو کیلے آ جاتے۔ یہ احسان و حسان مت جتانیں پلیز اٹھارہ سال کے بچے کی جیب میں کتنے پیسے ہوں گے بھلا؟“

”اٹھارہ سال کے بچے کی جیب میں آئی فون ہو سکتا ہے، خرچ کرنے کے لیے پیسے نہیں۔“

”میں فری میں نہیں آئی رہائش میری طرف سے ہے۔“ مدیحہ نے پست نکال کر چھلکا جرار کی طرف پھینکا۔

”واہ مدیحہ! کیا گپ ماری ہے ماحول کو گرما دیا ہے۔ شامل اور عرفان اب آ کر کیا تو کھول دو۔“

”کیوں؟ کیوں؟“ مدیحہ چڑکی۔

”پہلے تمہارے لپا کو لمبی تمید کے بعد میں نے یہ بات یاد دلانی کہ ان کے بھائی اور تمہارے چچا کا ایک عدد گھر ہے نیو مری میں جسے تمہارے چچا رستہ ہاؤس کہتے پھر تھے ایک لمبی ”ہوں“ کے بعد جس میں

ناگواری شامل تھی تمہارے لپا کو یہ رستہ ہاؤس یاد آیا اور تمہارے چچا جو عشاء کے بعد موبائل آف کر دیتے ہیں، بمشکل تمام ان کے گھر کے چار افراد سے رابطہ کر کے ان کا موبائل آن کروایا۔“

”تو آپ ان چاروں میں سے کسی ایک کو کہتے تاکہ چچا جان سے بات کروا دیں۔“ جرار مدیحہ کے چچا سے متعلق گفتگو ہمیشہ بہت اچھوٹے کرتا تھا۔

”ان چاروں میں سے کوئی بھی اپنا موبائل اپنے لپا کو ضرور“ بھی دینے کا رسک نہیں لینا چاہتا تھا۔ معاذ نے ایک آنکھ دبا کر جرار کو وضاحت دی۔

”نل تو گیا نا فری میں رستہ ہاؤس۔“ مدیحہ اتر کر بولی۔

”ہاں نل گیا، ایک لمبی ہدایات، ضروریات، احتیاطات، امکانات، تمککات“ جرار نے رک کر سانس لیا۔ ”اور فضولیات کی لسٹ سننے کے بعد۔“

مدیحہ کے علاوہ سب دل کھول کر ہنسے۔ جرار بلا وجہ دیر تک ہنستا رہا۔



رستہ ہاؤس قدرے نشیب میں تھا۔ پہلے ایک ڈھلان تلی سڑک پھر چار بڑی اور کھلی میڑھیاں پھر پکا پکا راستہ پھر چھ عدد میڑھیاں پھر پکا پکا راستہ اور کنارے پر مزید دس قدم میڑھیاں اتر کر تین کمروں کا یہ نیلی چھت والا رستہ ہاؤس اوپر سڑک سے تو رستہ ہاؤس نظر بھی نہیں آتا تھا۔ گاڑی پارک کر کے اپنا سامان باہر نکال کر سب سے پہلے جرار نے سڑک سے گھر کی طرف جانے والے راستے پر موجود برف پر اپنا پہلا قدم رکھا جسے چاند رینل نے رکھا ہو گا۔ یہ ان سب کا پہلا مشترکہ ٹور تھا کسی بھی پہاڑی اور برفانی علاقے میں۔

آس پاس بکھری برف کو ان سب نے بے یقینی سے دیکھا۔

”پنڈو۔“ نمل زیر لب بڑبڑائی۔ کون سا راستہ اور

کیسی میڑھیاں رستہ ہاؤس تک کا سارا راستہ برف سے ڈھکا ہوا تھا۔ گرتے پڑتے معاذ اندر سے جبار کو بلا کر لایا جو اپنے ساتھ کدال اور ایک پتلا ڈنڈا لیتا آیا۔ کدال سے اس نے میڑھیوں کو میڑھیوں کی شکل دینے کی کوشش کی۔ برف بری طرح جم چکی تھی۔ بمشکل دو قدم کی ایک لمبی لائن وہ سڑک سے گھر تک بنا سکا۔

لو کے گرتے پڑتے سلمان شفٹ کرنے لگے۔ لوکیاں لانگ شوز اور لانگ کوٹ سنبھالتی جبار کا سارا لیے باری باری گھر تک جانے لگیں اور جاتے جاتے تین چار بار مزے سے پھسلیں۔

”فلو میں تو بیرون مزے سے ڈانس کرتی رہتی ہے برف پر ہم کیوں بار بار پھسل رہے ہیں۔“ نمل نے ٹکر کے اٹھتے ہوئے کہا۔

”یہ پاکستان کی برف ہے شاید اس لیے اور وہ یورپ کی ہوتی ہے۔“ خزانے ہمیشہ کی طرح زیادہ پڑھے لکھے ہونے کا ثبوت دیا۔

”ایک تو ہر اچھی چیز یورپ میں ہی ہے۔“ نمل قدم جما کر چل رہی تھی۔

ہر یار ان کے پھسل جانے پر جبار مضحکہ خیز انداز سے ہنسنے لگا۔ وہ گھر کا کل وقتی ملازم تھا۔ رات کو اس کے خزانے سن کر شامل اور نمل یہ سمجھے کہ شیر باہر کھڑا دھاڑ رہا ہے اس کی ہنسی اور خزانے ایک جیسا ہی رد ہم رکھتے تھے۔ برف پر ایسے چلتا تھا جیسے بندر کی طرح چھلپا نکلیں لگا رہا ہو۔ معاذ کے نزدیک وہ ایک برفانی بدروح تھی جو خاص برفانی علاقوں میں ہی پائی جاسکتی ہے۔

”ہاں ہی نہیں چلا ایک ہفتہ گزر گیا۔“ عرفان کم بولتا اور سب سے زیادہ مزے کرتا تھا۔ ہفتہ گزر جانے کا وہ اسے ہی زیادہ تھا۔ معاذ جرار اور شامل کا بس نہیں چل رہا تھا کہ آتش دان میں ہی گھس کے بیٹھ جائیں۔

”کراچی کے رہائشی تو پاؤں لے ہی ہو جاتے ہیں یہاں اگر۔“ مدیحہ نے معاذ سے انہماک لیا۔

”پنڈی کے رہائشیوں کو یہ موقع بھی نہیں ملتا۔

پندرہ سال ہو گئے تھیں پنڈی میں رہتے اور برف کے گولے بنا پتا کر ایسے اچھا رہی تھیں جیسے ہر سیزن یہاں آتی ہو۔“ معاذ بھی چپ نہیں رہا۔

”پڑھنے لکھنے والے بچے گھومنے پھرنے میں اپنا وقت ضائع نہیں کرتے۔“ وہ اواسے بولی۔

”یہاں تم ہی ایس ایس کی تیاری کرنے آئی ہونا اس بار؟“

”واپسی کب ہے؟“ خزا کے سوال پر عرفان نے اسے کچھ زیادہ ہی غصے سے گھور کر دیکھا۔

”خبردار جو کسی نے واپسی کا نام لیا۔“ معاذ نے انگلی اٹھا کر سب کی طرف باقاعدہ لہرا کر کہا تاکہ سب دیکھ لیں اچھی طرح۔

”گھروں سے فون آئے تو کو آواز نہیں آ رہی۔ زیادہ آئے تو فون بند کر دو۔ بند فون بھی بچنے لگے تو فون اٹھا کر باہر پھینک دو۔ یہاں میں تمہیں کھلا رہا ہوں گھوما رہا ہوں وہ سب خود تو کبھی تمہیں یہاں لائے نہیں۔ اب بچے خود آ گئے ہیں تو برداشت نہیں ہو رہا۔“

”پھر بھی کب تک؟“ شامل جو کافی دیر سے مومک پھیلی نکال نکال کر حج کر رہا تھا ایک ساتھ ہی ساری منہ میں ڈال کر پھسکی پھسکی آواز میں بولا۔

”کسی کو کوئی براہم ہے یہاں رہنے میں؟ نہیں نا؟ آرام سے رہو چھ اٹھو باہر نکلو، برف پر پھسلو، گولے بناؤ شیر باہنسی اونٹ بناؤ، آکس کینڈی کھاؤ، ادھر ادھر گم ہو جاؤ اور رات کو اس پیارے سے آتش دان کے پاس آکر بیٹھ جاؤ اور گیس لگاؤ بعد میں دیکھیں گے کب جانا ہے واپس۔ میں نے تو موبائل آف کر دیا ہے دو دن سے۔ مجھے نہیں چاہیے سکون میں خلل۔“

”خلل سے آپ کا مطلب گرل فرینڈ تو نہیں؟“ جرار نے بنیدگی سے پوچھا۔ معاذ نے صرف گھورنے پر اکتفا کیا۔

”لگتا ہے کہ قاف میں آ گئے ہیں۔“

”کوہ قاف میں برف ہوتی ہے۔“ خزا کا سامنی

”نہیں۔ جن اور پریاں ہوتی ہیں۔“ مثال گفتگو میں شریک ہوا۔

”پاپا نے صرف چند دنوں کے لیے اجازت دی تھی۔“ حرا پھر سے پریشان ہو گئی۔

”پاپا کا فون آئے تو کہہ دینا۔ برف کا تو وہ کرنے کی وجہ سے راستے بند ہیں۔ ہم رستہ ہاؤس میں قید ہیں۔ راستے کھلتے ہی آجائیں گے۔“ معاذ نے مکمل سنجیدگی سے مشورہ دیا۔

”میں پاپا سے جھوٹ نہیں بولتی۔“
”جو جو جھوٹ نہیں بولتا وہ اپنا سامان تیار کر لے۔ صبح گھر والوں سے جا کر کچ بول دینا۔ انتظام کروں گا تم سب کے جانے کا۔“ معاذ نے چڑ کر کہا۔
”یہاں برف کے تودے گرتے ہیں؟“ مدیرہ پریشان ہو گئی۔

”برف بے توقیعیتا“ گرتے ہی ہوں گے۔ جبار سے پوچھ لیتے ہیں۔“ معاذ کچھ سوچتے ہوئے بولا۔
”رہنے دیں پلینز اس طرح ہوتا ہے جیسے ہمارا مذاق اڑا رہا ہو۔“

”وہ مذاق نہیں اڑاتا مگر وہ بس ہر بات کو انجوائے کرتا ہے۔“ معاذ نے جبار کا دفاع کیا۔

”یہ جو چھت پر اتنی ساری برف گری ہے اگر چھت گر گئی تو؟“ میرا دوست پتا رہا تھا کہ اس کی ٹانی کے گھر ایبٹ آباد ہر سال کسی نہ کسی کی چھت گر جاتی ہے برف کی وجہ سے۔ جبار نے آنکھیں گھما گھما کر بتایا۔

”اچھا!“ معاذ سوچنے لگا۔ گھر تو دو منزلہ ہے اگر چھت گری تو اوپر والی منزل کی گرے گی۔ معاذ نے سب کو تسلی دی۔ ”اور یہ ہر موقع پر تمہارے اور تمہارے دوست کے پاس کوئی نہ کوئی بری کہانی ہی ہوتی ہے سنانے کے لیے اتنے سارے دوست ہیں کہ ہر جگہ کسی نہ کسی کی ٹانی داوی موجود ہے کہانیاں سنانے کے لیے۔“



رات کا کھانا کھانے سے پہلے وہ سب باہر کا ایک اور چکر لگا آئے تھے۔ نیو مری، شیمیر پوائنٹ مال روڈ پر وہ ایک بار جا کر بار بار جارہے تھے۔ سب کچھ ان کے لیے نیا تھا اور وہ سب بھرپور انجوائے کر رہے تھے۔ وہ ہر بار نئی سے نئی چیز دریافت کر لیتے۔ برف سے ڈھکے چھوٹے بڑے گھر دھند میں لپٹے پھاڑ اور درختوں اور برف سے ڈھکے رہائشی گھر۔ پہلی گول سڑکیں، کبھی نیچے تو کبھی اوپر، ایک دم سیدھی اور اچانک سے تنگ اور پتلی۔

اس دن وہ سب دریائے نیلم گئے۔ دوپہر کا کھانا وہیں کھایا اور رات کا کھانا کھانے سرشام ہی مین مال پر آگئے۔ جبار اور معاذ کا مشترکہ خیال تھا کہ مال روڈ سے بہتر جگہ تقریباً کے لیے کوئی اور نہیں۔
”اسلام علیکم لالا جی!“ جبار نے دور سے ہی ہاتھ سر تک لے جا کر نائک لگائی۔

”بورے پاگل لگتے ہو۔“ مدیرہ کو اس کی یہ حرکت بری لگتی تھی۔
”سلام کرنا ناگل پن ہے؟“ وہ حیران ہوا۔

”مسخرے لگتے ہو پورے دیکھو! وہ خان صاحب بھی ہنس رہے ہیں۔“
”ہاں تو! میں آیا ہی دنیا میں دوسروں کو خوش کرنے کے لیے ہوں۔“

موسم آبر آلود تھا ایسا لگ رہا تھا، ہر چیز دھواں جھوڑ رہی ہے ایک ایک، دو دو کمروں پر مشتمل ہوٹلوں کے باہر کاؤنٹر پر پکے کھانوں میں خاص کر تکتے کبابیوں اور جی کی خوشبو میں، بہت دلفریب محسوس ہو رہی تھیں۔ آبر آلود گہری شام کی دھند لاتی روشنیاں اوپر بے فکر لوگوں کی بے فکر چل قدمی اس شام کا حسن تھی۔ معاذ نے سب کو بڑی بڑی آنکس کینڈی لے کر دی۔

”واہ! کینڈی کھاتے کھاتے ہر دو منٹ بعد معاذ کے منہ سے ٹھٹھا مال پر چلتے چلتے لوگوں کا ریش اتنا تک بڑھ گیا، ہوٹلوں کے انجٹ ہر نئے آنے والے کے پیچھے بھاگتے ہاتھ پکڑ کر اس طرف کھیٹے بھی۔

”تمہارے بابا تو کہہ رہے تھے اس موسم میں پاگل ہی لگتے ہیں۔“ معاذ نے حرا اور مدیرہ کو مخاطب کیا۔ ”یہ ہزاروں پاگل ہیں کیا؟“
”یہ ہزاروں لوگ نہیں ان کے ابا۔“ مثال نے اپنا فرض سمجھا اس بات کا جواب دینا۔
”مثلاً ابا! مدیرہ سے پہلے حرا چلائی۔

زیادہ تر لوگ لڑکیوں کے گروپس تھے۔ اس موسم میں بوڑھے تو خیر کیا لگتے۔ کپڑوں کی تعداد بھی بہت زیادہ تھی۔ زیادہ تر کا تعلق مری، پٹنڈی، اسلام آباد، اور قریب کے ہی دوسرے علاقوں سے تھا۔ ایلٹ کلاس زیادہ نظر آ رہی تھی۔ لڑکوں کا ایک گروپ ان ٹراپوں کو دوہاں آنے والوں کو سامان، بچوں یا ضعیف افراد کو کرائے پر ایک جگہ سے دوسری جگہ لے جانے کے لیے استعمال کی جاتی ہیں غلط استعمال کر رہے تھے۔ ایک بیٹھا ایک ٹھٹھا پچھلے آگے کھٹنے سے وہ مال پر یہی تماشا کر رہے تھے ساتھ بے ہودہ ”ہو ہوا ہا“ الگ سے، چلنے پھرنے والے بری طرح بے زار تھے ان کے اس بے ڈھنگے شوق سے۔

مال سے زیر زمین مارکیٹ کی ایک دکان سے چمپلی کباب اور دوسری دکان سے کڑائی کھا کر وہ شاپنگ کے ارادے سے اوپر اوپر دھندوں کا جائزہ لینے لگے۔ معاذ پہلے ہی کہہ چکا تھا جو فارغ ہوتا جانے گاڑی کے پاس آتا جائے گاڑی وہاں سے کافی دور پارک تھی۔ معاذ جہاں تک سمولت سے ڈرائیونگ کر سکتا تھا وہ وہاں تک کر کے گاڑی پارک کر دیتا تھا۔ ان گول گول بل کھاتی سڑکوں پر وہ گاڑی نہیں چلا سکتا تھا۔

حرا ایک دکان میں کافی دیر سے کتے دیکھ رہی تھی۔ وہ فیصلہ نہیں کر پا رہی تھی کہ کتنا لے یا جو لری۔ وہ چاہتی تھی اپنی دوست کے لیے ایک جیسی ہی چیزیں لے لے۔ باہر برف باری شروع ہو چکی تھی۔ شام کا اندھیرا گہرا ہونے لگا تھا۔ مال پر افرا تفری ہی شروع ہو گئی تھی۔ حرا نے سر ہر نکال کر دیکھا۔ پہلی برف باری انہوں نے رستہ ہاؤس میں دیکھی تھی اور دل کھول کر مڑا کیا تھا اس نے جلدی سے اپنا بیگ چیک

کیا۔ اس کے پاس سپریم کے تھے کچھ دیر پہلے مکمل اس کے ساتھ ہی اس دکان پر مختلف چیزیں چیک کر رہی تھی۔ اب وہ غائب تھی۔ باہر نکال کر اس نے ایک دو دکانوں میں جھانک کر مدیرہ کو دیکھا مگر نہ وہاں مدیرہ تھی نہ ہی کوئی اور۔ گروپ کی صورت تو انہوں نے پہلے بھی شاپنگ نہیں کی تھی۔ کوئی کیس ہوتا، کوئی کہیں۔

”بیٹا! آپ مال کے ہی کسی ہوٹل میں رہائش پذیر ہو؟“ وہ کرتوں والی دکان پر واپس آئی کہ ایک دھوی خرید لے، جب کام کرتے ہزار گوارنے پوچھا۔
”نہیں۔“ اس نے سر ٹیٹھی ہلایا۔ مال پر برف باری کا ہلکا ہلکا آنتا کو پینچ چکا تھا۔

”اسلام آباد سے آئی ہو تو جلدی نکل جاؤ۔ برف باری میں سڑک پر پھسلن کی وجہ سے روڈ بند ہو جاتے ہیں اور۔“

اسلام آباد کے لیے نفی میں سر ہلاتی اگلی بات سنتے ہی وہ تیزی سے باہر کی طرف لپکی۔ باہر بھی افرا تفری کا ہی عالم تھا۔ اس کا فون بھی بج رہا تھا لیکن تیزی سے قدم جما کر چلتے ہوئے وہ بیگ میں سے فون نہیں نکال سکتی تھی۔ مال پر گاڑیوں کی بمی لائن اسے نظر آئی۔ گاڑیوں کے ہارن ٹوکوں کا شور اچانک ہی منظر کچھ کا کچھ ہو گیا۔ گاڑیوں کے درمیان سے وہ بشکل آگے بڑھنے لگی۔

”کہاں ہو۔ جلدی آؤ۔“ مسلسل بجتے فون کو اس نے ایک جگہ رک کر سنا۔
”آ رہی ہوں۔“ کہہ کر وہ تیزی سے چلنے کی کوشش کرنے لگی۔

مال کی مین سڑک اس نے عبور کر لی تھی۔ اب نل کھائی گول نیو مری کی طرف جانے والی سڑک جس کے ایک طرف بہاؤ تھا، درمیان میں چھوٹی سی سڑک اور دوسری طرف کھائیاں اور سڑک کے انتہائی کنارے پر برف تھی وہ چلتی کہاں برف کے اوپر۔ جیسے تیسے کر کے وہ کنارے کنارے چلنے لگی۔ گاڑیوں میں بیٹھے لوگ اسے عجیب نظروں سے دیکھ رہے تھے چلنے

والوں میں سے وہ اکیلی ہی لڑی تھی جو جلدی میں بھی تھی جو کھلائی ہوئی تھی اور پریشان تھی۔

”جلدی آؤ حرا!“ معاذ کی جو بھی بار کال آئی۔
”سب آچکے ہیں۔ ایک تم ہی نہیں آئیں کہاں ہو تم؟“ فوجی ہیں یہاں سے جلدی نکلنے کے لیے کہہ رہے ہیں وہ راستہ کلیئر کروا رہے ہیں۔ میں گاڑی آگے لے کر جا رہا ہوں۔ تم ذرا تیز چلو۔“

وہ تیز کہاں سے چلتی دوبار پھسل چکی تھی گاڑیاں آگے پیچھے پھنسی کھڑی تھیں۔ لگتا تھا اب ہر شخص کو جانے کی جلدی ہے۔ ہلکی ہلکی برف باری جاری تھی۔ رکی ہوئی ٹریفک میں کبھی کبھی برائے نام حرکت پیدا ہو جاتی۔ شاید راستہ آگے سے جام تھا پھر ان میں تھوڑی سی زیادہ حرکت نظر آنے لگی اور گاڑیاں آگے پیچھے تیزی سے حرکت کرنے لگیں۔ اب تو وہ سڑک پر پاؤں بھی نہیں رکھ سکتی تھی۔ ناچار وہ برف کے ڈھیر پر بیٹھ گئی۔ کچھ دیر بیٹھنے کے بعد اور وہ پھر تھوڑا بہت جتنا راستہ مل رہا تھا چلنے لگی۔ عجیب مشکل تھی۔ بیک میں رکھافون بار بار بج رہا تھا۔ اندھیرا گہرا ہو گیا تھا۔ اسے ڈر تھا کہ وہ ضرور اچھ کر پیچھے جا کرے گی۔ گو وہ ایسی خطرناک کھائیاں نہیں کھیں پھر بھی گرنے کا خوف الگ تھا۔

اچانک ایک زوردار دھماکا سا ہوا اور وہ خوف سے بری طرح گر پڑی۔ برف کے ڈھیر میں شاید کوئی ٹھوس چیز پڑی ہوئی تھی جو اس کی کمر پر بری طرح لگی۔ اٹھ کر سنبھلنے پر درد کی ایک تیز لہر اس کی کمر میں اٹھی۔ دھماکے کی آواز سے اوسان الگ خطا تھے گاڑیوں میں سے لوگ نکل نکل کر سامنے کی طرف دیکھ رہے تھے۔

”حرا! تم ٹھیک ہو؟“ معاذ کی گھبرائی ہوئی آواز سے فون پر سنائی دی۔ وہ رونے لگی اور وہ گھبرا گیا۔ ”وہ گاڑیاں الٹ گئی ہیں۔“

”کیا؟“ وہ درد بھول کر چلائی۔
”ہاں۔ تم تو حادثے والی جگہ کے پاس نہیں ہوتا“ کہاں ہو تم۔“

”مجھے نہیں معلوم میں برف پر بیٹھی ہوں۔ میں بھی گئی۔ کمر میں درد ہے بہت۔ آگے جانے کا راستہ نہیں ہے۔ آپ کہاں ہیں؟“
”لگتا ہے تم اس جگہ سے کافی دور ہو۔ یہاں گاڑیاں الٹی ہیں۔ تم وہیں بیٹھی رہو۔ میں کچھ کرنا ہوں۔ میں نے پانی سب کو رسٹ ہاؤس بھیج دیا ہے۔ میں اکیلا یہاں تمہارا انتظار کر رہا تھا۔“

وہیں بیٹھے بیٹھے اسے کافی دیر ہو گئی۔ افراتفری میں مزید اضافہ ہو گیا۔ ریسکیو ٹیم آچکی تھی۔ وہ لوگ مستعدی سے ادھر ادھر مصروف ہو گئے۔ وہ لوگوں کو گاڑیوں میں پر سکون بیٹھنے کے لیے کہہ رہے تھے۔ پیدل اور گاڑیوں دونوں کے لیے آگے جانا ناممکن تھا۔

”میڈم آپ ٹھیک ہیں؟“ ایک فوجی اس کے پاس آیا۔

”نہیں۔“ اس نے رونی صورت لیے کہا۔ ”میں گر گئی ہوں اور مجھے وہاں جانا ہے۔“ اس نے ہاتھ سے ہلاک سڑک کی طرف اشارہ کیا۔ ”میری فیملی وہاں ہے اور میں یہاں اکیلی ہوں۔“

فوجی نے اس کے ہاتھ کے اشارے کی طرف دیکھا۔ ”وہاں دو گاڑیاں الٹ چکی ہیں۔ جب تک کریں نہیں آئی سڑک کلیئر نہیں ہوگی۔“

”کب آئے گی کریں؟“ اسے لگایا کوئی پندرہ بیس منٹ تک آجائے گی۔
”کل تک شاید یہی سڑک کلیئر ہو۔“

”کل تک۔“ وہ چلائی۔ جلدی سے معاذ کو فون کیا ساری صورتحال بتائی۔ معاذ الٹا خود پریشان ہو گیا۔

فوجی لوگوں کو گاڑیوں میں سے نکلنے کا کہہ رہے تھے۔ لوگ گاڑیوں میں بیٹھ کر ان کی بیٹھ تھے۔ پیٹرول ختم ہوتے ہی بیٹر بند ہو جاتے اور ان کی گاڑیاں بنا پیٹرول کے وہیں بند کھڑی رہتیں۔ وہ بار بار انہیں یہی سمجھا رہے تھے گاڑیوں میں لاک رہنے سے ان پر غنودگی طاری ہونے کا خطرہ تھا۔ بیٹر بند ہوتے ہی نیند میں ان کے ساتھ کچھ بھی ہو سکتا تھا۔ خاص کر چھوٹے

بچوں کے ساتھ۔ لوگ گاڑیاں لاک کر کے مال روڈ کے ہولڈز کی طرف بھاگے۔ حسب معمول مال کے ہولڈز ایسے ہی کسی واقعے کے انتظار میں تھے۔ انہوں نے موقع دیکھتے ہی کرائے پانچ پچھ گنا بوجھا دیے۔ وہ ٹوٹے پھوٹے کمرے جن کے کرائے سردیوں میں چار پانچ سو سے زیادہ نہیں ہوتے تھے اب سات، آٹھ ہزار ہو گئے تھے۔ لوکل ویکٹوں اور ٹیکسیوں میں بیٹھے لوگ زیادہ پریشان تھے۔

”بیٹا! آپ ٹھیک ہیں؟“ وہ سردی سے کانپ رہی تھی اور کمر کا درد الگ۔

”نہیں۔“ اس نے صاف کہا۔ اس کے ہونٹ نیلے ہو گئے تھے اور رونے سے آنکھیں سرخ۔

”ادھر آئیں میرے ساتھ۔“ وہ ان کے پیچھے پیچھے چلتی ایک فوجی جب تک آئی۔

”یہاں بیٹھیے۔“ وہاں تین چار خواتین پہلے سے ہی موجود تھیں اور گرم دودھ پی رہی تھیں۔ ایک کپ حرا کو بھی دیا۔

”آپ کا نام کیا ہے بیٹا؟“

”حرا! اس کی آواز بڑی طرح کانپ رہی تھی۔
”حرا بیٹا! پریشان مت ہو۔ میں ڈاکٹر خاور ہوں۔“

”میری کمر میں درد ہے میں گر گئی تھی۔“

”اوه! ٹھنڈی وجہ سے زیادہ درد محسوس ہو رہا ہوگا۔ میں آپ کو پین کھر نہیں دے سکتا، جب تک اچھی طرح سے چیک اپ نہ ہو جائے۔ آپ کی فیملی۔“

اس نے سر سے ہلاک سڑک کی طرف اشارہ کیا۔ ”میں یہاں اکیلی ہوں۔ اس طرف۔ یہیں وہ لوگ۔“

وہ سمجھ گئے۔ ”پریشان مت ہو بیٹا! ایک تو بچے آپ لوگ کسی کی بات نہیں سنتے۔ کب سے الارٹ دے رہے تھے کہ اس موسم میں گھروں میں رہیں۔“

”میں لاہور سے آئی ہوں۔“

”بیٹا! رات تک تو یہ راستہ کلیئر نہیں ہوگا۔ آپ

اکیلی ہو۔ ہوسٹل بھی نہیں جاسکتیں۔ میرا گھر یہاں سے کچھ دور ہے۔ یہ پانچ لوگ میرے ساتھ چارے ہیں۔ آپ بھی چلیں۔ یہاں مجھے سب جانتے ہیں۔ قریب ہی میرا ہسپتال ہے۔ آپ اپنی فیملی سے پوچھ لیں۔“
اس کا تو تصور اہستہ چلتا دماغ بھی ہاؤف ہو چکا تھا اگر معاذ وغیرہ کچھ نہ کر سکے تو وہ کیا کرے گی۔ اس نے معاذ کو فون کیا۔ ساری صورت حال بتائی۔ پھر معاذ کی ڈاکٹر خاور سے بات کروائی۔

”ٹھیک ہے۔ تم جاؤ ان کے ساتھ۔“ معاذ نے پانچ منٹ اسے ہولڈ کروانے کے بعد کہا۔ ”میں نے یہاں کھڑے فوجیوں سے ان کے بارے میں پوچھا ہے۔ سب جانتے ہیں انہیں وہ قاتل اطمینان ہیں۔ تم جاؤ ان کے ساتھ، میرا تمہارے پاس آنا ناممکن ہے۔“

”میں انہیں ساتھ لے کر جا رہا ہوں۔“ ڈاکٹر خاور نے ان پانچ افراد کی طرف اشارہ کر کے ایک فوجی افسر کو بتایا۔

کافی دیر چلتے رہنے کے بعد ڈاکٹر خاور کے گھر پہنچے کھانا کھلا کر ان کی ملازمہ جنت حرا اور ایک دوسری عورت کو ایک کمرے میں لے آئی۔ پانی لوگ ہال میں لگے بستر پر پہلے ہی ڈھیر ہو چکے تھے۔ پینڈ پر گرتے ہی وہ سو گئی۔ اس کی کمر بہت دکھ رہی تھی۔ گرانٹش ملتے ہی درد کم ہونے لگا۔ اس میں اتنی ہمت بھی نہیں تھی کہ اٹھ کر واش روم تک ہی چلی جاتی۔



وہ اتنی گہری نیند سوئی جیسے اپنے بیڈ روم میں ہو۔ اس کی آنکھ کھلی تو کمرے میں کوئی نہیں تھا۔ فریٹش ہونے کے بعد وہ کمرے سے باہر آئی۔ گھر میں بہت سے افراد کی موجودگی کے آثار نظر آرہے تھے وہ کچن میں آئی۔

گھر بہت بڑا کھلا اور کشادہ تھا، آتش دان بہت بڑا اور قدیم طرز کا تھا۔ لاؤنج کے ایک طرف کچن اور دوسری طرف ہال نما کشادہ کمرہ تھا۔ ہال کے ساتھ ہی آگے پیچھے دو کمرے بنے تھے جن میں سے ایک میں وہ سوئی

تھی۔
 ”یہ لیں آپ ناشتا کریں۔“ اس کے پکچن میں آتے ہی جنت نے ٹرے نیل پر رکھی۔ سٹکے ہوئے ٹوس، آلیٹ اور جام تھا۔
 ”چائے پیو گی یا کافی؟“ وہ پوچھ رہی تھی۔ سارا پکچن الٹا پلٹا تھا۔ استعمال شدہ برتنوں کا ایک ڈھیر جمع تھا۔ جنت تیزی سے کام سمیٹنے کی کوشش کر رہی تھی۔ جنت کی شکل سے ہی لگ رہا تھا کہ وہ بہت تھک چکی ہے۔
 ”میں ناشتا کر کے مدد کرواتا ہوں۔“ اس نے پیشکش کی۔
 ”شکریہ لی بی بی!“ وہ ساتھ والی ایک کرسی پر ڈھے گئی۔ ”پکچن لوگوں کو ناشتا کروایا ہے۔“
 ”اور لوگ آئے تھے رات؟“ وہ حیران ہوئی۔
 ”نہ کے تھے کافی سارے۔ ناشتا کر کے چلے گئے۔“
 ”لاؤنج میں سوئے تھے رات کو۔“
 ”راستہ کھل گیا؟“ حرا خوش ہوئی۔
 ”میں ابھی نہیں باہر نکل کر تو دیکھیں! کتنی برف باری ہوئی ہے۔“
 ”اچھا۔!“
 مقامی لوگ جتنا کر سکتے ہیں کرتے ہیں۔ سڑک کے اوپر پھاڑی پر میری، بہن کا گھر ہے۔ کچھ لوگ وہاں اس کے گھر میں بھی ہیں۔ پچھلی بار ایک نومولود ٹھنڈ سے مر گیا تھا۔ ہمیں بہت دکھ ہوا۔
 ”اوہ!“ حرا کو دکھ ہوا۔
 جنت سانس لینے کے بعد پھر سے پکچن سمیٹنے لگی۔ حرا نے بھی اٹھ کر اس کی مدد کرائی۔ اپنے گھر میں اس نے کبھی بیڈ کو ر تک ٹھیک نہیں کیا تھا لیکن جنت کو دیکھ کر اسے احساس ہوا کہ وہ سروں کے لیے بے لوث خدمت کرنا کتنا اہم ہے۔ حرا اس سے متاثر ہوئی تھی۔ جنت کے ساتھ ہی مل کر اس نے سارا گھر صاف کیا۔ رات کو اس کے ساتھ آنے والی عورتیں ہال میں موجود تھیں ہال بائی گھر کی نسبت زیادہ گرم تھا۔
 وہ ہر کا کھانا حرا نے جنت کے ساتھ مل کر بنوایا بھی

اور سب کو کھلایا بھی۔
 ”بی بی! میں سوئے لگی ہوں بہت تھک گئی ہوں۔“
 ”آپ بھی سو جائیں۔“
 ”میں بی بی نہیں ہوں۔ میرا نام حرا ہے۔“ حرا نے نرمی سے کہا۔
 ”اچھا حرا بی بی! چائے تو ہال میں آجائیں یا اسی کمرے میں چلی جائیں۔“
 وہ اس کے بون حرا بی بی کہنے پر مسکرانے لگی۔
 نمل، معاذ وغیرہ سے تفصیلی بات کرنے کے بعد وہ فریش ہو گئی۔ کمرہ کا دروازہ بھی ٹھیک تھا۔ کمرے کا بیرونی دروازہ کھول کر وہ گھر کے پچھلی طرف آگئی۔ سارا میں یقیناً یہ گھر کے لان کا خوبصورت منظر پیش کرتا ہو گا۔ برف سے ڈھکا لان بہت بڑا تھا۔
 باہر کا منظر دیکھ کر حرا نے ایک لمبی سانس لی۔ برف پر قدم جما ہوا چلنے کے باوجود وہ دوبار پھسل چکی تھی۔ جتنے دنوں سے وہ یہاں تھے وہ سب سے زیادہ پھسل تھی۔ پہلے تو سب اسے اٹھا بھی لیتے تھے پھر اس کے گرنے پر ہستے ہوئے آگے بڑھ جاتے تھے۔
 تیسری بار وہ پھسل تو اس فٹ تک پھسلتی ہی چلی گئی۔ وہ اوپر سے نیچے کی طرف جا رہی تھی۔ خود کو پھسلنے سے روکنے کے لیے اس نے برف کو گرفت میں لینے کی کوشش کی مگر ناکام رہی اور دھڑم سے ایک گڑھے میں جا گری۔ اتنے تکلیف دہ انداز میں گرنے پر اس کی اچھی خاصی چیخ نکل گئی۔ اس کا سانس بری طرح سے اکھڑا ہوا تھا۔ گر کر کھلتے ہی اس نے ارد گرد کا جائزہ لیا۔ برف سے بھرنے کے بعد گرھا اٹھ فٹ گرا تھا۔ اچھل کر اس نے گڑھے سے باہر دیکھنا چاہا مگر ناکام، کنارے کو پکڑ کر اوپر اٹھنے کی کوشش کرنے لگی وہ بھی ناکام۔ اس کی گرفت کناروں پر موجود برف پر جم ہی نہیں رہی تھی۔
 ایک بار وہ گڑھے سے تقریباً ”اوہی اوپر آچکی تھی کہ پھر نیچے۔“
 اسی لمحے اس نے کچھ فاصلے پر کسی کو دیکھا۔ شاید نظر کا دھوکھا تھا، پوری طرح دیکھنے سے پہلے ہی وہ دھڑم

”نیچے“ شاید دھند میں لیٹی کوئی چیز تھی وہ دھماکے کی کہ وہ جنت ہی ہو۔
 ”جنت! جنت!“
 لیکن جنت نہیں آئی۔ پانچویں کوشش میں وہ پھر وہی باہر نکل آئی۔ اس بار وہ عدد پاؤں اس کے باہر آتے ہی جنت سے ٹھیک تین فٹ کے فاصلے پر کھڑے ہوئے۔ اس کے آٹھ ہاتھ تھے وہ فٹ اور دوڑ گئے کہ مہادوہ انہیں ہی نہ پکڑ لے۔ جب وہ دوبارہ پس گری تو اسے شدید غصہ آیا۔ اس پر جو باہر تھا۔
 ”کوئی ہے؟“ وہ چلائی۔ ”کون ہے باہر۔“
 وہ ایک ایک لفظ کو کھینچ کھینچ کر چلانے لگی۔ اس بار اس نے اوپر چڑھنے کی کوشش بھی ترک کر دی کیونکہ اس کا اس طرح باہر نکلنا ناممکن تھا۔
 ”آخر تمہیں کتنی اور ہلپ چاہیے؟“
 گڑھے کے کنارے ایک دم وہ تباہ ترنگا شخص ہلپ اڑا تاکہ حرا سے پہلے شاید وہ ہنسا بھی رہا تھا۔
 حرا کی نظریں اس پر تنگ گئیں۔
 ”بناؤ اور کتنی مدد چاہیے؟“ وہ کنارے پر گھٹنوں کے بل بیٹھ گیا جیسے سیف العلوک میں مچھلی تلاش کر رہا ہو۔ اس نے مک سے گھونٹ بھرا۔
 ”تم شہری لوگ خود کو سمجھتے کیا ہو؟ نام کرو یا جیت بہت پسند کرتے ہو یا تو نہ؟“
 حرا کو شہری لوگ پر خیرت ہوئی تو کیا میری گاؤں ہے۔“
 ”چلو پھر نکلو یہاں سے۔ نام کرو زین کر لگاؤ چھلانگ اور ثابت کرو خود کو۔ پچیسویں کوشش میں بھی تم یہاں سے نکل آؤ۔ تم میں چاہے پینا چھوڑ دوں گا۔“
 ”جو شہر آش کرو کوشش۔“ وہ اسے پکڑنے لگا اور ہاتھ ہی اٹھ کر وہ قدم پیچھے جا کر کھڑا ہو گیا۔
 ”شٹ اپ!“ حرا اتنی ہی برداشت کر سکتی تھی بس۔
 ”شٹ اپ؟“ اس نے حرا کی لیے اس کے ہی

انداز میں اس کے الفاظ دہرائے اور ایسے ہی کنارے پر آکر بیٹھ گیا جیسے اپنی ہنسی اور حیرت دیا رہا ہو۔
 ”میں نے تمہیں گرایا ہے؟ میں نے کہا تھا گھر سے اس خراب موسم میں نکلو اور یہاں کھونٹے چل آؤ۔“
 نیوز چینل الرٹ دے دے کر تھک چکے ہیں لیکن شاید تمہیں اس برفانی موسم میں برفانی ریتھ کی طرح گشت کرنے کا جنون ہے یا شہ۔ شہ کرتے۔
 تھلا زیاں لگاتے پھاڑوں پر چھلانگیں لگانے کا شوق پورا کرنے آئی ہو۔ وہاں سے نکال کر پلپا تمہیں یہاں لائے مگر وہی تمہاری جیٹ لی ٹائپ کی روح تمہیں پھر گھر سے باہر لے آئی اور تم اس گڑھے میں آ گئیں۔ دوبارہ پھسل کر سہیلیں مگر پھر بھی واک کرنے سے باز نہیں آئیں۔ جب برف پر چل نہیں سکتیں تو چلتی کیوں ہو۔ اگر میں تمہیں کھڑکی سے نہ دیکھ رہا ہوں تو تم یہیں پڑے پڑے ٹھنڈے اکڑ جاتیں اور تمہاری اکڑی ہوئی لاش۔ ہی تمہارے گھر جاتی اور تمہاری وہ جنت۔ جنت۔ ہلپ۔ ہلپ۔ ہلپ کی آوازیں یہاں سے چندہ فٹ سے آگے سنائی نہیں دے رہیں اور گھر چالیس فٹ کے فاصلے پر ہے اور جنت اس سے بھی بہت زیادہ فاصلے پر۔ تم شہری لوگ۔ کبھی برف نہیں دیکھی؟ برف دیکھتے ہی ایسے پاگل ہو جاتے ہو جیسے انگشٹ موویز میں بھڑیے چاند کے نکلنے ہو جاتے ہیں۔“
 حرا اسے ہی دیکھ رہی تھی اور اسے دیکھ ہی سکتی تھی۔
 ”نکلو اب۔“ وہ دہمیزاب بھی چپ نہیں ہوا تھا۔
 ساتھ ساتھ چائے کے گھونٹ بھی لے رہا تھا۔
 ”اچھا۔“ اگر میرے سامنے نہیں نکل سکتیں تو میں چلا جاتا ہوں۔“ اور وہ کہتے ہی چلا بھی گیا۔ ایک بار پھر حرا نے بمشکل سر نکال کر باہر دیکھا۔ وہاں کوئی نہیں تھا وہ واقعی میں جا چکا تھا۔
 ”بہت تمیز!“ حرا نے ایسی سے کھڑی کچھ ہونے کا انتظار کرنے لگی۔
 ”یہ لو چار لیز انجیلو۔“ اس نے لکڑی کے ایک

جوڑے تختے کو گڑھے میں نیچے سے اوپر کی طرف اڑھا رکھا۔ اس پر سے چل کر اوپر آجاؤ۔“

وہ اس کے جانے کا انتظار کرنے لگی کہ وہ جائے تو وہ اوپر آئے اس کے سامنے وہ باہر نہیں آتا چاہتی تھی مگر وہ مزے سے وہیں کھڑا رہا تاہم ہاتھوں اور پیروں کی مدد سے بلی کی طرح چلتی وہ باہر آگئی۔

”یہ تختہ میں بیٹیں رہنے دیتا ہوں۔ ہو سکتا ہے تمہارا دوبارہ اس طرف آنے کا ارادہ ہو۔“

وہ اس کے آگے آگے چلتا ہوا مسلسل بول رہا تھا۔ حرا کا دل چاہ رہا تھا اسے اس گڑھے میں دھکا دے دے۔ وہ اس کے پیچھے چل رہی تھی اور چلتے چلتے وہ دوبارہ گری۔

اس نے مڑ کر اسے دیکھا۔ ”بہت خوب۔ کمال کا گرتی ہو۔ پھر گر کر دکھاؤ۔“ ہاتھ سینے پر باندھ کر وہ کھڑا ہو گیا۔

وہ ہاتھ بھاڑتی اٹھ کر کھڑی ہوئی۔ اس کی شکل بتا رہی تھی کہ وہ بمشکل ضبط کر رہی ہے اور سامنے والے کی شکل بتا رہی تھی کہ وہ اس کے ضبط سے خوب محفوظ ہو رہا ہے۔

”بہت ذہین ہو۔“ وہ اسے سر سے لے کر نیچے تک دیکھ کر بولا۔

”بہت اچھی میچنگ کی ہے شوز کی ڈریس کے ساتھ لیکن شاید تمہیں کسی نے یہ نہیں بتایا کہ برف پر چلنے کے لیے شوز کو اوپر سے نہیں نیچے سے دیکھا جاتا ہے۔ تمہارے شوز پچھلے کے لیے بیسٹ ہیں۔ ان فیکٹ ان سے بہتر شوز دنیا میں اور ہو ہی نہیں سکتے۔ سو کیپ سلینگ۔“

”کہہ کر وہ آگے چلے گا۔“

اس بار وہ زیادہ احتیاط سے قدم ہما کر چلنے لگی۔ اس وقت وہ اپنے سب سے بہترین سوٹ میں ملبوس تھی۔ سیاہ ڈبل ہائی نیک ٹیگ، نیلے، ٹاپ نمائی شرٹ اور ہم رنگ گھٹنوں تک لانگ کوٹ، سیاہ اسکارف گرہ کی صورت گردن کے گرد لپیٹا ہوا تھا اور جن لانگ شوز پر اس نے اتنی تنقید کی تھی۔ وہ لانگ شوز ایمر جنسی میں

رات ایک بڑے افسوس سے لائی تھی۔ برفانی علاقے وزٹ کرنے کے لیے یہ اس کی سن پند ذریعہ تک تھی۔ اس کی قسمت خراب کہ چلتے چلتے وہ ایک بار پھر پھسل گئی۔

اس نے ایک زوردار قہقہہ لگایا اور دیر تک ہنستا رہا جیسے سالوں بعد موقع ملا ہو۔

”بہت خوب۔ بہت خوب۔“

غصے اور خفت سے وہ وہیں بیٹھی رہی۔ اس نے اس کے سامنے اٹھ کر چلنے کی کوشش ہی ترک کر دی اور اس کے وہاں سے چلے جانے کا انتظار کرنے لگی۔

”گلیا انداز ہے تمہاری لوگوں کا۔“ بلند بانگ خود کلای کرتے وہ واقعی چلائی گیا۔

ایک بار مزید کرنے کے بعد وہ بھی اندر آئی گئی۔ کچن میں سے اس کے اور جنت کے ہنسنے کی آوازیں آرہی تھیں۔ خفت اور شرمندگی سے اس کا برا حال تھا۔ اتنے لمبے ترنگے انسان کے سامنے اس کی اتنی بے عزتی ہو گئی تھی۔

کچھ ہی دیر میں جنت اس کے لیے چائے سے بھرا گک اور دو ابلے اینڈے لے آئی۔ جنت کی آنکھیں ابھی بھی مسکرا رہی تھیں۔

”حرا بلی! اپنا موڈ خراب مت کیجیے۔ مہران بھائی ایسے ہی ہیں۔ میں بھی گر جاتی تو ایسے ہی کرتے۔ رات بھر ڈاکٹر صاحب کے ساتھ کام بھی کرواتے رہے ہیں اور باتیں بھی سناتے رہے ہیں سب کو۔ لڑکوں کا جو گروپ رات یہاں رہا ان کے ساتھ تو انہوں نے حد ہی کر دی۔ کہہ رہے تھے کہ اس خراب موسم میں اگر وہ گھر سے نہ نکلتے تو اتنے شاندار حادثے کا شکار کیسے ہوتے۔“

جنت کافی دیر تک بولتی رہی لیکن اس نے نہیں سنا۔ اسے شدید غصہ تھا۔

”بد تمیز۔ جلال!“ حرا غصے سے بڑبڑاتی۔ جب وہ جنت کے ساتھ مل کر گھر صاف کر رہی تھی تب تک کوئی گھر میں موجود نہیں تھا۔ شاید یہ بہران نامی بلا کچھ دیر پہلے ہی گھر آئی تھی۔

”کوئی دوا ہے تو مجھے دو۔ میں اپنے ہاتھوں پر لگاؤں۔“ حرا نے دونوں ہاتھ جنت کے سامنے کر کے کہا۔

”وہ ہاتھوں کو دیکھ کر رہ گئی۔“

وہ جنت کے ساتھ کمرے میں بیٹھی باتیں کرتی رہی پھر جنت کچن میں چلی گئی۔ غسل سے فون پر بات کرنے کے بعد وہ بھی کچن میں آگئی۔ اسے دھڑکائی لگا ہوا تھا کہ وہ پھر نہ آجائے۔ اس شخص کے سامنے اس کی عجیب و غریب سحرگشت بنی تھی۔

جتنا وہ کاہلہ جنت کے ساتھ کام کر جاتی رہی۔ رات جو خواتین آتی تھیں۔ انہیں جنت کھانا اور دوا دے چکی تھی۔ ان میں سے ایک کو نمونیا ہو چکا تھا۔ ایک ویسے ہی بہت بیمار ہو گئی تھی۔ بار بار تے کر رہی تھی۔ بمشکل سات بجے تھے۔ کام کروا کر وہ واپس کمرے میں آگئی۔ ایک دو میگزین رکھے تھے اٹھا کر پڑھنے لگی، پڑھنا کیا تھا عجیب سے میگزین تھے نہ فیشن سے متعلق نہ شو بزنس۔ بیڈ کی سائیڈ پر پڑن رکھا تھا، اٹھا کر وہ اپنا پسندیدہ کام کرنے لگی۔ وہ اپنے ہاتھ لگنے والے ہر اخبار، میگزین، تصویر، کتاب پر ناک، کان، مونچھیں، داڑھی، ٹوٹی گول گول دائروں والی بڑی عینک بنا دیا کرتی تھی۔ میگزین میں موجود ہڈیوں کو چاروں کی طرح لپکا ٹیل والا کوٹ اور لڑکوں کو سینڈر ملا فراک پہنا دیا کرتی تھی۔ بنائے گئے کرداروں کے نام اور ان سے متعلق جملے بھی لکھا کرتی تھی۔ کافی دیر تک وہ میگزین کے ساتھ مصروف رہی۔

”ڈاکٹر صاحب کہہ رہے ہیں کہ آپ کو برانہ لگے تو کھانا ان کے ساتھ کھالیں۔“

”میں آرہی ہوں۔“

سلام کر کے وہ ڈاننگ نیبل پر ان کے ساتھ بیٹھ گئی۔ باہر برف باری ہو رہی تھی آتش دان روشن تھا۔ مڑ پلاؤ کی خوشبو پھیلی ہوئی تھی۔ گرم اور روشن ماحول

”بہت اچھا لگ رہا تھا۔“

”نیملی کیسی ہے حرا آپ کی؟“ چاولوں کی ٹرے اس کے سامنے کر کے وہ پوچھنے لگے۔

”وہ سب ٹھیک ہیں۔“ حرا ان کے بارے میں بتانے لگی۔

”حادثے والی جگہ تو کلیئر ہو چکی ہے لیکن برف باری کی وجہ سے اس طرف سفر خطرناک ہو سکتا ہے خاص کر نیو مری کی طرف۔ صبح تک کوشش کر کے میں آپ کو بھجوا دوں گا مگر آپ یہاں اطمینان سے رہیں۔ میری وائف سریدیاں شروع ہوتے ہی اسلام آباد میں کی طرف چلی جاتی ہے۔ وہ زیادہ ٹھنڈ پسند نہیں کرتی۔ ہم چار لوگ ہی یہاں ہوتے ہیں اس موسم میں۔ آپ کو یہاں کوئی مسئلہ تو نہیں۔“

”نہیں۔“ اس نے مسکرا کر ان کی طرف دیکھا۔

”میں آپ کی بے حد شکر گزار ہوں۔ جو کچھ آپ نے میرے لیے کیا۔“

شکر گزار ہونے کی ضرورت نہیں بننا یہ میرا فرض تھا۔ جنت نے مجھے بتایا تو مجھے اچھا نہیں لگا۔ مہران بس ایسا ہی ہے۔ اسے ایسا نہیں کرنا چاہیے تھا۔ آپ ہماری مہمان ہو۔“

”مٹس اوکے۔“ ڈاکٹر صاحب شرمندہ شرمندہ سے اسے اچھے نہیں لگے۔

”مذاق کرتا ہے بس وہ۔“ سنجیدہ نہیں ہوتا۔ وہ اس کا دفاع کر رہے تھے اور وہ سوچ رہی تھی کہ صبح تو اس نے یہاں سے چلے ہی جانا ہے پھر کیوں نہ وہ مسٹر مہران صاحب کا حساب برابر کرتی جائے۔

”آپ اتنے شفیق ہیں اور ان کا رویہ۔ برتاؤ۔“ وہ جان بوجھ کر خاموش ہو گئی۔ اوھوری بات زیادہ پراثر ہوتی ہے۔

کھانا کھاتے یکدم ان کے ہاتھ رک گئے۔

”تی بد تمیزی سے وہ میرا مذاق اڑاتے رہے۔ بلند بانگ قہقہے لگاتے رہے۔ گھر آئے بے بس مہمان کے ساتھ کوئی ایسا کرتا ہے۔“ وہ بھول گئی تھی کہ وہ گھر آیا مہمان نہیں۔ گھر لائی غی پناہ گزین ہے۔

”ٹھیک کہا! ایسی بات میں اسے سمجھا ہوں۔“
 ”اس گڑھے سے اوپر آنے کے لیے مجھے دستاں
 اتارنے پڑے اور ٹھنڈی برف نے میرے ہاتھ سن
 کر دیے اور خون رستے لگا۔“
 ”وہ! ڈاکٹر صاحب نے کھانا چھوڑ کر اس کے
 ہاتھوں کی طرف بھاگا۔ مجھے دکھاؤ۔“
 اس نے پتھر سامنے کیے۔ ”جنت سے دوا لے کر
 میں نے لگال تھی مگر درد۔“ پھر بات ادھوری۔
 باقی الفاظ اس کے منہ میں ہی رہ گئے جہاں وہ بیٹھی
 تھی وہاں سے دایمیں طرف سیدھی ردیں چکن تھا اور
 چکن ٹیبل پر کھانا سامنے رکھے وہ اسے نظر آیا۔ وہ
 یکسوئی سے حرا کی طرف دیکھ رہا تھا۔
 حرا اٹھ اگئی۔ ”میں شرمندہ ہوں بیٹا!“
 ”نہیں۔“ ”نہیں“ میں تو بس ایسے ہی۔ اس
 اوکے۔“

جلدی جلدی پلٹ صاف کر کے وہ کمرے میں
 آگئی۔ کھانا ابھی اس نے اور کھانا تھا لیکن۔
 ”کیا ضرورت تھی ان سے یہ سب کتنے کی ان کے
 بیٹکی شکایت۔“

کچھ ہی دیر بعد جنت ٹرے لیے آگئی۔ ”حرا بی!
 کھانا کھا لیں آپ نے ٹھیک طرح سے نہیں کھایا
 کھانا۔“

”نہیں میں کھا چکی ہوں۔“ اس نے موتا ”کہا
 ورنہ مٹر پلاؤ تو اس نے ابھی شروع ہی کیا تھا۔

”میں رکھ جاتی ہوں جب دل چاہے کھا لیجے گا۔“ وہ
 رکی۔ ”مہران بھائی کہہ رہے تھے بھوکے پیٹ سونے
 سے رات کو برے برے خواب آتے ہیں۔“

حرا بری طرح چونکی۔ کھانا مہران نے بھجوا دیا تھا۔
 غصہ ایک طرف۔ کھانا اس نے پیٹ بھر کر کھایا۔
 معاذ کو فون کیا باری باری سب سے بات کی۔

”حرا!“ معاذ بھائی کی ابھن بھری آواز سنائی دی۔
 ”تمہیں یاد ہے مدیحہ کے چچا نے جو ایک گھنٹے کا لیکچر دیا
 تھا اس رستہ باؤس کے بارے میں۔“
 ”نہیں۔ مجھے نہیں یاد۔ اور کیوں یاد رکھتی۔“

”ہم سب نے بھی یہی کہا کیوں یاد رکھتے۔“
 سب ناممکنات، بدلیات، ضروریات، امکانات
 احتیاطات، ممکنات اور فضولیات بھول گئے۔
 رات جبار اپنے گھر جانے کا کہہ کر گیا اور ابھی تک
 نہیں آیا۔ ہم سب گھر کے اندر دیکے پڑے رہے۔
 برف بنانے کے لیے ہمیں تو پورے گھر میں کوئی چیز
 نہیں ملی۔ معلوم نہیں جبار کب آئے گا۔“
 ”تو۔“ حرا اٹھ اگئی۔
 ”ہم تو خود یہاں قید ہیں۔“

”وہ۔ برف باری تو ابھی بھی ہو رہی ہے وقت
 وقفے سے۔ رات تک تو مزید ڈھیر بن جائے گا۔ آپ
 نے جانے ہی کیوں دیا جبار کو۔“

”کہہ رہا تھا گیا اور آیا۔ مجھے کیا معلوم تھا کہ گیا اور
 آیا کے درمیان وہ اتنا لمبا وقفہ دے گا۔ اس کے آتے
 ہی میں کچھ بھی کر کے تمہیں لینے آ جاؤں گا۔ تم ڈاکٹر
 صاحب سے میری بات کرواؤ۔“

”وہ تو شاید جا چکے ہیں اسپتال واپس“ میں صبح ان
 سے بات کروا دوں گی۔ اچھا تو نہیں لگتا اس طرح کی
 کے گھر رہنا۔“

”اچھا تو نہیں لگتا لیکن۔“ وہ چپ ہو گیا۔ ”یقین
 کرو اس سب میں میرا ذاتی کوئی قصور نہیں پھر سوچو جو
 ہوتا ہے اچھے کے لیے ہی ہوتا ہے۔“

حرا کو ہنسی آگئی۔ اس نے مہران سے متعلق کوئی
 بات نہیں بتائی۔

ٹرے چکن میں لاکر وہ برتن دھونے لگی۔ جنت سو
 چکی تھی۔ گھر میں سناٹا تھا جیسے یہاں کوئی نہیں رہتا۔

اس کا دل چاہا کہ وہ برف باری میں باہر نکلے اور کسی خان
 کے ہوٹل سے قہو پیے۔ معاذ کے ساتھ وہ نکل بھی
 جاتی مگر یہاں سے کیسے جاتی، لاؤنج میں بنی قد آدم
 کھڑکیوں سے وہ باہر دیر تک دیکھتی رہی۔ گھر کے اندر

اور باہر دونوں طرف کا منظر انتہائی دل فریب تھا۔
 وہ چکن کی طرف آنے کے لیے کمرے سے باہر نکلی
 کمرے سے آگے رباری کی طرف وہ جیسے ہی مڑی
 چھٹانے سے فرش پر کچھ گرا۔ یہ وہی مک تھا جو آج دن

میں مہران کے ہاتھ میں تھا فرش پر چائے ٹوٹے مک
 سمیت پھیل گئی۔
 ”کیا کاغذ نے؟“ وہ غصے سے چلایا۔

حرا مک کے گرنے اور اس کے چلانے پر سہم گئی۔
 ”سوری۔“ وہ بمشکل انتہائی کہیں سکی جبکہ اس سب
 میں اس کی قطعاً کوئی غلطی نہیں تھی۔

”سوری۔“ اس نے اس کے لفظ جیسے چبائے۔
 جینو جب تک اور گردن کے گرد مفلر لپیٹے سر پر پٹھانوں
 والی مخصوص ٹوپی لیے وہ اسے اور ٹوٹے مک کو دیکھ رہا
 تھا۔

”میں ابھی بتا دیتی ہوں“ میں شرمندہ ہوں“ انجانے
 میں۔“

”کیسے بتاؤ گی؟“ وہی چبانے والا انداز۔
 ”میں بتا دیتی ہوں چائے“ وہ سمجھی شاید وہ سمجھتا ہے
 کہ اسے چائے پانی نہیں آتی۔ مجھے آتی ہے چائے
 پانی۔“

”بتاؤ گی کس سے؟“ وہی انداز۔
 ”پانی۔“ ”دودھ۔“ اور
 ”دودھ نہیں ہے۔ اب۔“

وہ بریشان ہو گئی۔
 ”اچھا تو نہیں لگتا لیکن۔“ وہ چپ ہو گیا۔ ”یقین
 کرو اس سب میں میرا ذاتی کوئی قصور نہیں پھر سوچو جو
 ہوتا ہے اچھے کے لیے ہی ہوتا ہے۔“

حرا کو ہنسی آگئی۔ اس نے مہران سے متعلق کوئی
 بات نہیں بتائی۔

ٹرے چکن میں لاکر وہ برتن دھونے لگی۔ جنت سو
 چکی تھی۔ گھر میں سناٹا تھا جیسے یہاں کوئی نہیں رہتا۔

اس کا دل چاہا کہ وہ برف باری میں باہر نکلے اور کسی خان
 کے ہوٹل سے قہو پیے۔ معاذ کے ساتھ وہ نکل بھی
 جاتی مگر یہاں سے کیسے جاتی، لاؤنج میں بنی قد آدم
 کھڑکیوں سے وہ باہر دیر تک دیکھتی رہی۔ گھر کے اندر

اور باہر دونوں طرف کا منظر انتہائی دل فریب تھا۔
 وہ چکن کی طرف آنے کے لیے کمرے سے باہر نکلی
 کمرے سے آگے رباری کی طرف وہ جیسے ہی مڑی
 چھٹانے سے فرش پر کچھ گرا۔ یہ وہی مک تھا جو آج دن

”خنگ دودھ ہے تو بس اس کی۔“
 ”ڈرائے ملک، بیک ملک، فریش ملک، سب ملک
 ختم ہو گئے ہیں آج۔“

وہ اسی بھاڑ کھانے والے انداز میں بولا۔
 وہ اس کی طرف بے بسی سے دیکھنے لگی۔ اس کی
 قسمت خراب جو وہ اس وقت کمرے سے باہر آئی۔
 ”تمہیں اپنے کمرے میں چین نہیں تھا؟“

”وہ حرا سے ایسے مخاطب ہوتا تھا جیسے دونوں کی
 بچپن سے خونی دشمنی چلی آ رہی ہو۔
 وہ حرا سے پانچ چھ سال بڑا ہوگا، معاذ جیسا لمبا اور
 ورزشی جسم۔ چند دنوں کی بڑھی ہوئی واڈھی اور
 ٹکھری ہوئی ساٹواں رنگت وہ خوبصورت نہیں بے حد
 کشش، سورا اور ڈسٹ لگتا تھا وہ ان لوگوں میں سے
 تھا جن کی باریعہ شخصیت کی وجہ سے ان کے سامنے
 بولا ہی نہیں جاتا۔

”میں نے سوری کیا تو ہے۔“ نہ چاہتے ہوئے بھی
 اس کی آواز زندہ گئی۔

”کیا کروں میں اس سوری کا۔“
 ”اپنے سر پر مار لیں۔“ اس نے بھاڑ کھانے
 والے انداز میں کہا۔ برواشت کی حد تک ختم ہو گئی
 اخلاق ایک طرف۔ ضبط دوسری طرف اور ”انہوں
 نے میری مدد کی ہے“ تیسری طرف رکھ کر وہ بولی۔

”اپنی خوشی سے یہاں نہیں آئی، بد قسمتی سے آئی
 ہوں۔ مجھے نہیں معلوم اس علاقے اور یہاں کے
 رہنے والوں کے بارے میں، مجھے یہ بھی معلوم نہیں
 کیسے شوز پین کر برف پر چلا جاتا ہے۔ اور مجھے یہ بھی
 معلوم نہیں تھا کہ یہاں میں آپ کی چائے سے ٹکرا
 جاؤں گی، سارا دودھ بھی ختم ہو جائے گا۔ معلوم ہوتا تو
 چائے سے ٹکرانے کے بجائے میں اس گڑھے میں
 گرنا پسند کرتی اور اپنی اکڑی ہوئی لاش کی صورت گھر
 جانا پسند کرتی۔“

وہ سانس لینے کے لیے رکی۔
 وہ زمین سے مک کے ٹکڑے اٹھا کر سیدھا اپنے
 کمرے کی طرف بڑھ گیا۔

”میں کانی نہیں چیتا۔“

”آپ کانی بی لیں۔“

”میں کانی نہیں چیتا۔“

”میں کانی نہیں چیتا۔“

”جاہل۔ گنواں پاگل۔“ زیر لب دو تین گالیاں دے کر وہ کمرے میں آگئی۔

☆ ☆ ☆

صبح ناشتے کی ٹیبل پر اسے ڈاکٹر صاحب مل گئے۔ اس بار اس نے ان کے ساتھ بیٹھ کر کھانے کی غلطی نہیں کی۔ معاذ نے ان سے بات کی۔ ڈاکٹر صاحب ہنسنے لگے۔

”بیٹا! آپ پریشان نہ ہو۔“ وہ حرا سے مخاطب تھے۔ ”آپ انگلیٹن سے رہو۔ راستہ کلیئر ہو متب جانا۔ ہم آپ کی مہمان نوازی بار نہیں۔“ جنت کے ساتھ مل کر پھر حرا نے جتنا ہو سکتا تھا کام کروایا۔ ایک بار بار جانے کے بعد دوبارہ باہر نہیں گئی۔

”حرا بی بی سبزیاں کٹ دیں گی آپ؟“

”ہاں کیوں نہیں۔ حرا آلو پھیلنے لگی۔“ ڈاکٹر صاحب نے چھ لوگوں کا کھانا منگوایا ہے۔ ایک ڈیڑھ گھنٹے میں اکبر آجائے گا کھانا لینے۔ روٹی کے لیے آنا تم ہے۔ سوچا، جتنی دیر میں میں آٹالاؤں گی آپ سبزیاں بنا کر یکاؤں گی لیکن میری واپسی تک تو آپ آٹو می سبزی بھی نہیں بنا سکیں گی! آپ بازار تک جا سکتی ہیں؟“

”ہاں! کیوں نہیں۔ کہاں ہے بازار۔؟“

”سیدھے ہاتھ والی سڑک سیدھی جاتی ہے کچھ دور ہی دکانیں ہیں وہاں سے مل جائے گا۔“

جنت جلدی جلدی اسے باقی ضروری چیزیں بھی بتانے لگی۔

”اپنے شوز دے دو مجھے۔“ حرا نے جنت کے شوز پہن لیے۔ سڑک پر بہت پھسلن تھی لیکن وہ آرام سے چل رہی تھی۔ جوتوں کا فرق اسے معلوم ہو گیا تھا۔ تیزی سے چلنے کے بعد اسے آدھے گھنٹے بعد دکانیں نظر آئیں۔

”یہ کچھ دور ہے؟“ اس نے جنت سے تصویروں کہا۔

اس نے سارا سامان لیا واپس جاتے ہوئے کے لیے چلنا مشکل ہو گیا۔ آتے ہوئے ڈھلان پر اب چڑھائی تھی۔ وہ بھی سامان کے ساتھ تین گنا وزن شاپر زائٹھانا اس کے لیے مشکل ہو رہا تھا۔ کچھ دیر چلنے کے بعد سامان سڑک پر ہی چھوڑ کر وہ واپس دکان کی طرف گئی۔

”ٹرائی ہے؟“ اس سوال پر دکان دار اس کی طرف دیکھنے لگا۔ ناچار وہ پھر واپس ہی شاپر زائٹھانے آکر جنت بھی تو سوا لے کر جاتی ہی نا تو پھر میں کیوں نہیں۔ اس نے ہمت سے کام لیا۔ وہ دس منٹ چلتی شاپر زائٹھانے رکھتی سانس لیتی اور پھر اٹھا کر چلنے لگی۔

”ہم شہری لوگ۔“ خود ہی کہہ کر وہ ہنسنے لگی۔ کہ سوچتی ہو گی جنت مجھے کچھ آتا ہی نہیں ہے۔ پھولے ہوئے سانس کے ساتھ وہ ساتھ ساتھ بولتی بھی جا رہی تھی، ایک کار تیزی سے اس کے قریب سے گزر کر رکی، اس کا خیال تھا ڈاکٹر صاحب جنت کا شوہر ہو گا لیکن وہاں مہران صاحب تھے اس نے بیٹھے بیٹھے ہی پیچھے کا دروازہ کھولا، حرا نے جلدی جلدی سامان اندر رکھا اور دروازہ بند کر دیا اور اپنا اسکارف ٹھیک کرتی آگے بڑھ گئی وہ بھی زن سے کار آگے بڑھانے لگا۔

”بد تمیز! ایک بار بھی نہیں کہا کہ بیٹھ جاؤ۔“ غصہ ترک کر کے اس نے اس پاس غور کیا، بہت دلکش سڑک تھی۔ دور دور سے چھوٹے چھوٹے گھر نظر آرہے تھے۔ وہ فرصت سے آرام آرام سے چلنے لگی۔ کبھی کسی درخت کے ساتھ ٹیک لگا کر کھڑی ہو جاتی۔ دن روشن نہیں تھا۔ دھند میں لیپٹا ہوا تھا۔

برف کے ایک ڈھیر کے پاس رک کر وہ برفانی رینگے بنانے کی کوشش کرنے لگی کافی دیر تک بناتے رہے کے بعد بھی جب برف نے رینگے کی شکل اختیار نہیں کی تو وہ اسے ویسا ہی چھوڑ کر گھر کی طرف آگئی۔

چکن پر نظر پڑتی ہی وہ شرمندہ سی ہو گئی۔ جنت جلدی جلدی روٹیاں بنا رہی تھی اور مہران انہیں

بیک رہا تھا۔ اسے بے انتہا شرمندگی ہوئی۔ اسے جلدی آنا چاہیے تھا تاکہ وہ جنت کے ساتھ کام کر سکے، شرمندہ شرمندہ سی وہ کمرے میں آگئی۔ کچھ ہی دیر بعد جنت آگئی۔

”ٹرائی بی آجائیں۔ میں نے ہال میں دسترخوان لگایا ہے۔“ شرمندہ سی وہ آکر ان سب کے ساتھ کھانا کھانے لگی اگر جنت بغیر کسی غرض کے سب کی اتنی خدمت کر سکتی ہے تو وہ کیوں نہیں۔ اسے اندازہ ہوا کہ وہ جنت کے مقابلے میں کس قدر چھوٹی ہے۔

جنت کے ”نہ نہ کرنے کے باوجود اس نے سب کچھ سمیٹا، برتن دھوئے اور پچن صاف کیا۔ شام ہونے سے پہلے ہی تینوں عورتیں اور مرد چلے گئے۔ شام کو وہ ڈرتے ڈرتے باہر نکل لیکن پھر کمرے میں واپس آکر الف ایف سننے لگی۔ جنت کمرے میں آئی اور کمرے میں رکھے میگزین اٹھا کر لے گئی۔ دس منٹ بعد ہی وہ انہیں لیے واپس آئی۔

”حرا بی بی! یہ سب آپ نے کیا ہے؟“ جنت نے دو تین صفحے اس کے سامنے الٹ پلٹ کر پوچھا۔ وہ جواب کیا دیتی۔ اس کی شکل پر چھائی شرمندگی بتا رہی تھی کہ یہ سب اس نے ہی کیا ہے۔ جنت میگزین واپس لے گئی۔ پانچ منٹ بعد دروازے پر دستک دے کر مہران آکر ہوا۔ غصے سے اس کے اعصاب تنے ہوئے تھے۔

”یہ آرٹ کے نمونے آپ نے بنائے ہیں؟“ حرا نے سوچا ہی نہیں تھا کہ یہ گھر اس کا نہیں اور نہ ہی وہ میگزین اس کے تھے نہ ہی یہاں مل سکی جو برداشت کر سکتی۔

وہ شرمندہ سی اسے دیکھنے لگی۔ اس کی سمجھ میں نہیں آیا کہ اس کے سوال پر سواری کے کیا ”ہاں“ اس میگزین کو عور سے دیکھنے! ایسی ایسا میگزین دیکھا ہے۔ یہ کوئی فلمی یا فیشن میگزین نہیں ہے۔ اس میگزین کو میرا ادارہ محدود تعداد میں شائع کرتا ہے ان لوگوں کے لیے جن کا اس شعبے سے تعلق ہے یعنی

میرا۔ اور ان کو پڑھنے والے کسی ناؤر چیز کی طرح انہیں سنہال کر رکھتے ہیں۔ انہیں آپ سنہال کر رکھیں۔ آپ کی آرٹ کی نمائش کے لیے کام آئیں گے۔“

اس نے میگزین بیڈ پر پھینکے اور چلا گیا۔ شرمندگی سی شرمندگی تھی جو وہ محسوس کر رہی تھی۔

اب اسے احساس ہو رہا تھا یہ اس گھر میں کی جانے والی اس کی باقاعدہ غلطی تھی۔ وہ حقیقتاً ”پناسر“ پکڑ کر بیٹھ گئی۔ ڈرتے ڈرتے وہ کمرے سے باہر نکلی۔

”میں بہت شرمندہ ہوں جنت! میری غلطی ہے۔“ مہران کے سامنے تو وہ ایک لفظ نہیں کہہ سکی۔

”جو ہوتا تھا ہو گیا، حرا بی بی! اب آپ پریشان نہ ہوں۔“ ”میں واقعی میں بہت شرمندہ ہوں ہم میری طرف سے ان سے معذرت کر لو۔“

”میں کہہ دوں گی۔“ جنت مسکرائی۔ سارا وقت وہ کمرے میں رہ رہ کر اپنی حرکت پر کڑھتی رہی۔

رات گئے ہمت کر کے کمرے سے باہر آئی تاکہ جنت کے ساتھ جا کر خود سے مہران سے سواری کہہ آئے۔ لاؤنڈ میں روشن دان کے پاس ہی وہ کتاب لیے بیٹھا تھا، قریب ہی لیپ ٹاپ پر انگلش میوزک بج رہا تھا۔

اس نے اسے دیکھ نہ لیا ہوتا تو وہ واپس چلی جاتی بھڑاڑ میں جائے سواری، کل تو اس نے واپس چلے ہی جانا تھا۔ پھر بھی وہ اس کے پاس آکر کھڑی ہو گئی۔

”میں میگزین کے لیے آپ کو سواری کئے آئی ہوں۔“

”اب کیا ہو سکتا ہے ٹیوٹ۔“ اس نے کوئی تاثر دینے بغیر کہا، یعنی غصہ ابھی بھی تھا۔

”میں جانتی ہوں، میری غلطی ہے۔“ اس نے انتہائی کہا۔

”آپ ہماری مہمان ہیں اب آپ کو کچھ کہہ تو نہیں سکتے۔ اس لیے اس اوکے۔“ وہ پھر بتا تاثر کے

بولاً۔

اس کا پارہ یکدم ہائی ہو گیا۔ معذرت تو بندہ طریقے سے قبول کر لے۔
”میں آپ کی نہیں ڈاکٹر صاحب کی مہمان ہوں۔ انہوں نے ہی مجھے پناہ دی، میری مدد کی، میرا خیال رکھا۔ آپ تو جب ملے، خوشخوار منہ بھار ڈیٹے ہیں نہ لڑی ہوئے کا احساس ہوا نہ ہی اکیلے اور مہمان ہونے کا خیال۔“

”ہوں۔۔۔ اس نے ایک لمبی ہوں کی۔۔۔ جیسے مزے لے کر اپنا پسندیدہ کھانا کھایا جاتا ہے۔ خوشخوار منہ بھار۔ بہت اچھی باتیں کر سکتی ہیں آپ۔ بہت متاثر کیا اس بار بھی آپ نے۔۔۔“
”آپ کی بدتمیزی نے بھی بہت متاثر کیا مجھے۔ وہ وہ بدبو لیں۔

”اس بدتمیز شخص نے ہی اس رات آپ کو اکیلا دیکھ کر اپنے پاپا کو آپ کے پاس بھیجا تھا۔ اس گڑھے میں آپ خود گریں، لیکن نکالا میں نے۔ چائے میری آپ نے گرا دی، تم میرا تو دیا جو میری بہن خاص میرے لیے ملائی تھی۔ لائی تھی۔ میگزین میرے آپ نے آرٹ کے نمونے بنا دیے اور بدتمیز بھی میں ہوں۔۔۔ آپ کا اپنے بارے میں کیا خیال ہے؟“
”اگر میں آپ کے گھر میں نہ ہوں تو میں آپ کو بتاتی کہ آپ کیا ہیں۔ اور میں کیا ہوں۔“ وہ غصے سے بھڑک اٹھی تھی۔

”آپ میرے گھر میں ہیں اس بات کو بھول جائیں۔ آپ بتائیے مجھے۔“
”میں آپ سے سوری کر رہی ہوں اور آپ باتیں سنارے ہیں مجھے۔“

”مجھے نہیں چاہیے آپ کا سوری۔۔۔ پھر۔۔۔“
”پھر یہ کہ آپ بھاڑ میں جائیں۔“
”جہاں آپ گری تھیں وہاں؟“ وہ تسخر سے بولا۔
”حرا نے اس کے چہرے پر آئی مسکراہٹ کو دیکھا۔ وہ اس کا مقابلہ نہیں کر سکتی تھی کچھ کہہ بناوہ کر کے میں واپس آئی۔

”آپ وہیں جا رہی ہیں؟“ اسے اپنے پیچھے آواز سنائی دی۔
”جنگلی۔۔۔ نکلی۔۔۔ گنوار۔“ وہ دیر تک برسرِ حال رہی۔

صبح ہوئے ہی معاذ کا فون آگیا وہ اسے لینے آ رہا تھا۔
”ڈاکٹر صاحب کہاں ہیں؟“ اس نے ناشتا کر کے جنت سے پوچھا۔
”وہ تو رات آئے ہی نہیں۔“

اس کے بیگ میں مال سے خریدی ہوئی کچھ چیزیں تھیں۔ اس نے بے حد شکریہ کے ساتھ وہ جنت کو دی جو بھدا اصرار بھی وہ نہیں لے رہی تھی اگر کے شوہر اکبر کے ساتھ اسے مال تک جانا تھا وہیں سے معاذ نے اسے لینا تھا۔

جنت سے اچھی طرح مل کر وہ اکبر کے ساتھ اچھے راستے میں آنے والے ڈاکٹر خاور کے چھوٹے ہسپتال میں ان سے مل کر اور ان کا شکریہ ادا کر کے مال سے معاذ کے ساتھ گاڑی میں بیٹھ کر ریسٹ ہاؤس آئی۔

وہ سب لوگ تیاری کر کے بیٹھے تھے۔ اس کے آتے ہی فوراً واپسی کے لیے نکل پڑے۔ اس کی کمالی سننے کے بعد جس میں مہمان کا کہیں ذکر نہیں تھا، سب اپنی اپنی خوش گپیوں میں مگن ہو گئے۔ سب معاذ کو دھمکی دے رہے تھے کہ وہ سب جا کر حرا کے پچھڑ جانے والی کمالی سب کو سنا میں گے۔

”میرے پاپا کی توبہ جو اتنے بڑے گینگ کے ساتھ اس طرف آیا۔“
”مسئلہ گینگ نہیں تھا مسئلہ موسم تھا ہم نے فلا وقت کا انتخاب کیا۔“ شامل نے گینگ کا دفاع کیا۔

”یار! برف ہی نہیں دیکھ پاتے تو کیا فائدہ یہاں آنے کا۔“
”آپ شہری لوگ برف دیکھنے کے لیے تو ہمارے ہو جاتے ہیں۔“ مگنی دیر سے خاموش حرا یکدم بولی۔

”ہم شہری لوگ مطلب۔۔۔؟“ شامل حیرت سے بولا۔
”ہاں! ہو جاتے ہیں پاگل۔ جو نہیں دیکھا اس کے لیے ہوتے ہیں ناشتا اسل ہوا اور دھوپ پر ہی گزارا کرتے ہیں۔ تھک جاتے ہیں ہم شہری لوگ۔“
معاذ کو بات بات پر بلالوہ غصہ آ رہا تھا شاید وہ واپس نہیں جانا چاہتا تھا۔
”آپ یہاں شفٹ ہو جائیں معاذ بھائی! مدتیہ بولی۔

”جیندگی سے سوچ رہا ہوں۔“
حرا سب سے زیادہ خاموش تھی۔ آتے ہوئے جو جوش ان سب میں تھا جاتے ہوئے وہ اداسی میں بدل گیا تھا اور یہ اداسی سب سے زیادہ حرا محسوس کر رہی تھی۔ وہ ہرگز تیری سرک، درخت، پہاڑ، گھر کو اداسی سے دیکھ رہی تھی۔ اسے نہیں معلوم تھا کہ واپسی پر وہ اتنی اداس ہو جائے گی۔ لیکن وہ اداس اور خاموش ہوئی ہی چلی گئی۔

شامل نے کالج میں سب کو مزے لے لے کر اپنے نور کے بارے میں بتایا حرا کسی کو کچھ نہیں سنا سکی۔
وہ تین بن بھائی تھے۔ بڑی مکمل، حرا اور پھر جراس۔

ان کے پاپا اتنے سخت تھے کہ ان کی بڑھالی کی وجہ سے گرمیوں کی چھٹیوں میں بھی انہیں نہیں جانے نہیں دیتے تھے معاذ کراچی سے آیا تو وہ اسے انکار نہیں کر گئے۔ ویسے بھی معاذ ان کے کزن کا بیٹا تھا۔ وہ اسے پسند بھی کرتے تھے اور اعتبار بھی۔ معاذ کا پروگرام کن کر جراس نے اتنا شور ڈالا کہ انہیں تینوں کو اجازت دینا پڑی۔

مکمل انجینئرنگ تھوڑا ریکر اسٹوڈنٹ تھی اور حرا کی کام کی سربراہ کنزرس۔ گرمیاں آگئیں۔ اور پھر گرمیاں بھی کنزرس گئیں۔ حرا کی اداسی بڑھتے بڑھتے مکمل خاموشی کی صورت اختیار کر گئی۔ شروع میں

سب نے لوٹ کیا پھر وہ اس کی خاموشی کے عادی ہو گئے۔ میوزک کو سنتے سنتے اس نے گانوں کے بولوں پر توجہ دینی شروع کر دی اور وہ انہیں دہراتی رہتی۔ حیرت انگیز طور پر اس نے ایک بار عابدہ پروین کو سنا اور وہ سنی ہی چلی گئی۔
”معاذ سے شادی کر دی؟“ مکمل نے اچانک دھماکا کیا تھا۔

حرا کو جیسے کرنٹ لگا۔ ”تم نے کیوں پوچھا؟“
”پاپا اور ماما کی خواہش ہے کہ ہم دونوں میں سے کسی ایک کا معاذ کے ساتھ رشتہ بکا ہو جائے۔ سوچا تم سے تمہاری مرضی پوچھ لوں۔“
”نہاں۔۔۔ اس نے فوراً کہا۔“ اور تم؟“
”ظاہر ہے ہاں۔“ مکمل دل کھول کر نہی۔ ”معاذ کی بھی یہی مرضی ہے۔ تمہیں تو میں ویسے ہی تنگ کر رہی تھی۔ ویسے تم نے معاذ کے لیے نہ کیوں کہا۔ کوئی خرابی ہے اس میں؟“

انتا کہہ کر وہ ایسے خاموش ہو گئی جیسے پھر نہیں بولے گی۔ اس کی نظریں چھوٹے سے سفید بیر پر ٹکی تھیں۔ جب وہ اکبر کے ساتھ ڈاکٹر خاور کے گھر سے واپس آ رہی تھی تو واپسی پر اس کی نظر سڑک کے کنارے اس پر فانی ریچھ پر پڑی تھی جو وہ بنانے کی کوشش کرتی رہی تھی، لیکن بنا نہیں سکی تھی وہ برف کا ریچھ خوبصورتی سے تیار کھڑا تھا۔ اس کے ایک ہاتھ میں برف ہی سے بنا سفید مک تھا جو وہ منہ کے قریب لے کر جا رہا تھا۔ وہ سمجھ گئی کہ یہ کس نے بنایا ہو گا۔ اس وقت اس نے اسے غصے سے دیکھا تھا لیکن اب وہ اسے بری طرح یاد آ رہا تھا۔

ہمار کا موسم تھا اور وہ سرخ سیبوں کا تازہ جوس نکال رہا تھا۔
”مگنی مرچ دو جنت!“ اس نے قریب ہی کام کرتی جنت سے کہا۔

”وہ وہ تو کل ہی ختم ہو گئی تھی یاد ہی نہیں رہا منگوانا۔“

”تم کسی کام کی نہیں ہو جنت! مہران پچھلے ڈیڑھ سال سے اسے وقفے وقفے سے یہ ضرور کہہ دیتا تھا۔ قریب ہی کچن ٹیبل پر آیان بیٹھا تھا۔ وہ کچھ دن پہلے ہی آسٹریلیا سے اپنے سمسٹرز سے فارغ ہو کر آیا تھا۔ وہ مہران سے چھوٹا تھا۔ سب سے بڑی سارہ تھی۔ آیان اکاؤنٹس کا اسٹوڈنٹ تھا مہران ڈاکٹر بننا تھا۔ تین سال پہلے وہ بھی آسٹریلیا میں ہی تھا۔ ”حیرت ہے! جنت اب تمہارے کسی کام کی نہیں رہی۔“ آیان نے مزالیا۔

”وہ گلاس اپنے لیے بھر کر اور ایک جنت کے لیے وہیں چھوڑ کر وہ کچن کے دروازے سے پیچھے لان میں آگیا۔“

”تو وہ محترمہ یہاں گری تھیں۔“ آیان نے گڑھے کی طرف اشارہ کیا۔

مہران نہ چاہتے ہوئے بھی مسکرانے لگا۔ ”اکبر نے پانی کے پائپ کے لئے کھدائی کی تھی۔ موسم بدلا تو اس نے کام درمیان میں ہی روک دیا پانی کا مسئلہ حل ہو گیا تو یہ گڑھا لے ہی رہ گیا۔“

”اگر اکبر کام مکمل کر لیتا تو وہ یہاں نہ گرتی۔“

”اگر یہ نہ ہوتا تو بھی وہ کہیں نہ کہیں جگہ تلاش کر کے گری جاتی۔“

”ہاا۔ اتنا شوق تھا گرنے کا۔“ کے ”ٹو“ لے جاتے۔

ایک ہی بار شوق پورا کر دیتے۔“ آیان کہہ کر ”کھی کھی“ کرنے لگا۔

”تمت پوچھو کہے گرتی تھی۔ یونو! جو بلیک لائگ شوز اس نے پہن رکھے تھے۔ وہی شوز جو ماڈلز ریپ پر پہن کر واک کرتی ہیں اور ٹک ٹک کرتی مزے سے چلتی جاتی ہیں۔ بس اسے یہ غلط تھی بھی کہ وہ بھی انہیں پہن کر برف پر ویسے ہی چل سکتی ہے۔“

آیان کے لیے ہنسی روکنا مشکل ہو گیا۔

”جب میں یہاں اسے اپنی کھڑکی سے دیکھ رہا تھا تو مجھے معلوم نہیں تھا کہ وہ اتنی بری طرح گرے گی مگر

جب وہ گری تو ہنس نہس کر میرا برا حال ہو گیا۔ جسے اس کے سر پر جا کر کھڑا ہوا تو اس کی شکل دیکھنے والا تھی۔“

”بہت خوب صورت تھی وہ۔“

”نہیں۔ خوب صورت تو نہیں۔ مگر کوٹ تھی۔ غصہ کرتی تو چھوٹی سی مانوٹی لگتی تھی۔“

”اس مانوٹی سے تھوڑی سی دوستی ہی کر لیتے۔“

”کیسے کر لیتا، ایک کے بعد ایک واقعہ ہوتا چلا گیا۔“

وہ چلی گئی۔ میں کام سے صبح اسلام آباد چلا گیا تھا لیکن

آیا تو وہ جا چکی تھی سو بے جنت بازار میں ملنے والا

سے بھی اچھی دعا سلام رکھتی ہے۔ شر اور گھر کا آنا

رکھتی ہے ایک فون نمبر نہیں لے سکی اس سے۔“

”افسوس جنت کی کارکردگی پر۔“ آیان مزے

رہا تھا۔

”کہہ رہی تھی اتنا کام تھا ان دنوں کہ ہوش ہی

رہا بس اتنا معلوم ہے کہ وہ لاہور سے آئی تھی۔“

”مے معلوم ہے تاکہ تم یہاں رہتے ہو۔“

”ہاں۔ ڈیڑھ سال ہو گیا۔ اسے تو معلوم ہے

ہمارے گھر کا۔“ مہران نے آہ بھری ”پھر بھی۔“

”پھر بھی یہ کہ وہ تم جیسے بد تمیز سے ملنے کیوں

آئے۔ ویسے مہران اسے پسند کرتے ہو یا محبت؟“

”محبت کا تو نہیں معلوم۔ لیکن جس دن سے وہ

ہے اسی دن سے وہ مجھے یاد آنے لگی ہے۔ کوئی وجہ بھی

نہیں اور پھر بھی۔ فیس بک پر ڈھونڈا۔ خراخان

احمد خرا سلطان خرا زبان اور نہ جانے کتنی خرا کو میب

کر چکا ہوں، مگر وہ خرا نہیں ملی۔“

”وہ تمہیں پسند کرتی ہوگی بہت ہو سکتا ہے

دوبارہ آئی ہو یہاں ٹھونسنے مگر یہاں نہ آئی ہو۔ ظاہر ہے

اگر وہ یہاں نہیں آئی تو اس کا مطلب بہت کچھ ہو

سکتا ہے۔ وہ ایک جگہ ہو سکتی ہے ہو سکتا ہے اس کی شاہی

ہو چکی ہو یا وہ کسی کو پسند کرتی ہو اور یہ بھی کہ اسے

بھی نہ ہو کہ وہ بھی یہاں آئی بھی تھی اور یہ کہ

ہو کون ”تم نے ان امکانات پر غور کیا؟“

”نہیں۔“ مہران نے جل کر کہا۔ ”میں نے

صرف ایک امکان بر غور کیا ہے کہ وہ یہاں آئی ہے اور کہتی ہے۔ میں تو ڈاکٹر صاحب سے ملنے آئی ہوں۔“
 ”فرض کرو ایسے ہو جاتا ہے تو۔“
 ”تو بس آگے اسے کچھ کہنے کی ضرورت نہیں۔“
 ”چلو اب یہ فرض کرو کہ ایسا کچھ نہیں ہوتا۔“
 ”مہراں نے اس بار صرف اسے ہکڑ کر ہی دیکھا۔“
 ”وہ تمہیں پسند نہیں کرتی۔“
 ”تم اس سے پوچھ کر آئے ہو؟“
 ”واقعات اور مان گواہ ہے لڑکیاں ان لڑکوں کو پسند کرتی ہیں جو ان سے تیز بات کریں۔ انہیں نہیں جو انہیں کھری کھری سنائے ویسے انکل شیراز کی بیٹی کا کیا کرنا ہے۔ بہت خوب صورت ہے صوفیہ۔“
 ”یار! سارہ! پاپا سب نے ٹھک کر کھا ہے“
 چاہتے ہیں راتوں رات دو لہا بن کر اس کے گھر پہنچ جاؤں۔“
 ”میری مانو تو صوفیہ کے لیے ہاں کہہ دو۔ حرا نہیں آئے گی۔ سوڑھ سال تم نہیں ہوتا۔“
 ”کہہ تو ٹھیک رہے ہو لیکن۔ اداسی ختم ہی نہیں ہوتی یہ سوچ کر کہ وہ چلی گئی اور اب انہیں رہی۔“
 ”چلتے ہیں پھر آج ہی انکل شیراز کے گھر۔“ آیان نے اسے بہلایا۔ ”کچھ دن لگیں گے پھر سب ٹھیک ہو جائے گا۔ ویسے وہ میگزین مجھے بھی دکھائیں۔ کہاں ہیں۔“
 نہ چاہتے ہوئے بھی مہراں مسکرانے لگا۔
 ”ویسے اچھا ہونا کہ تم لاہور جا کر گلی گلی اسے تلاش کرتے۔“
 ”لاہور بہت بڑا ہے۔“ مہراں نے کہا۔ ”وہاں گلیاں بھی بہت ہوں گی۔“
 ”ہو سکتا ہے وہ کسی اور شہر شفٹ ہو چکی ہو۔“
 ”تم کتنی بکواس کرتے ہو۔“
 ”ہو سکتا ہے وہ ملک سے ہی یا ہرجلی گئی ہو۔“ آیان خاموش نہیں ہو رہا تھا۔
 ”ہو سکتا ہے“ وہ یہاں آنے کی تیاری کر رہی ہو۔ مہراں نے منہ لٹکا کر کہا۔

”یہ آخر والا ہو سکتا“ ہوتا نظر نہیں آ رہا۔
 چھوڑو مہراں اب۔ بس۔“
 ☆ ☆ ☆
 نمل اور معاذ کی بات کی کڑی گئی تھی۔ حرا فون کر کے کئی بار معاذ کو مرنے کے لیے کہا مگر ہی نہیں رہا تھا۔ وہ ڈر گیا تھا خاص کر کسی لڑکی کے ساتھ کر جانا نہیں چاہتا تھا۔ اس بار وہ لاہور آیا تو وہ اس کے سر ہو گئی۔ صرف معاذ ہی تھا جو اسے جاسکتا تھا۔ پاپا تو خیر کبھی نہ جاتے اور نہ ہی جرات ساتھ جانے دیتے اور نہ کوئی سمجھتا تھا کہ اس کی خاص ضرورت ہے۔
 ”نہ اب نہیں بھی حرا! میں بہت ڈر گیا ہوں۔“
 ”آپ کو تو بہت پسند ہے وہ علاقہ۔“ وہ کب سے اسے منار ہی تھی۔
 ”بے حد پسند ہے لیکن کسی لڑکی کو لے کر نہیں جاؤں گا۔“
 ”نمل کے ساتھ بھی نہیں؟“
 ”نہیں۔ میں بہت محتاط ہو گیا ہوں۔“
 ”حادثات تو ہوتے ہی ہیں۔ ہم سب ٹھیک ٹھاک واپس تو آ گئے نہ۔“
 ”ایک بار ٹھیک ٹھاک واپس آ گئے۔ نہ جانے آ کر کیا ہو۔“
 ”آپ اتنا ڈر گئے ہیں اب سردیاں بھی نہیں ہیں سب جاتے ہیں وہاں۔“ وہ رو دینے کو تھی۔ ”میں اتنے سارے پیسے جمع کر لیے ہیں۔ آپ کے پیسے خرچ نہیں ہوں گے۔“
 ”مسئلہ پیسے نہیں ہیں۔“
 ”پلیز میرے لیے۔ خدا کے لیے کوئی تو چلے۔“
 ”میرے ساتھ۔“ وہ جیج روئے لگی۔ معاذ نے چونک کر اسے دیکھا۔
 ”کیا ہوا حرا؟“ وہ بے حد پریشان ہو گیا۔
 ”میں بھول آئی ہوں کچھ وہاں۔ مجھے جا کر لانا۔“
 ”بس۔“

”کیا بھول آئی ہو؟“ وہ کیسے سمجھتا۔ حرا نے صرف مٹی آنکھوں سے معاذ کو دیکھا۔
 ”میں نے اتنا انتظار کیا کہ کوئی تو مجھے وہاں لے جائے مگر۔“
 معاذ گہری سوچ میں ڈوب گیا۔
 ”ڈاکٹر خاور کے گھر جانا ہے؟“
 حرا نے صرف سر ہلایا۔ اندر لاکھ دوسو سے تھے مگر کسی کو تو جانا ہی تھا۔
 ”ہم ان کے گھر جا کر کہیں گے کیا حرا! وہ پریشان ہو گیا۔“ بہت عجیب سا لگے گا۔“
 ”ہم کہیں گے ہم ڈاکٹر صاحب کا شکریہ ادا کرنے آئے ہیں۔“ حرا نے جوش سے کہا۔ ”ان سے ملنے آئے ہیں باقی وقت بتاؤ گے کہ ہمارا جانا ٹھیک تھا یا نہیں۔“
 ناچار معاذ نے پھر سے وہی گینگ اٹھا کیا کسی کو بھی خبر دیے بغیر۔
 ”ان سب کو ہوٹل میں چھوڑ کر حرا کو لیے وہ چل پڑا۔ گاڑی میں بیٹھی حرا دوسو سوں کا شکار تھی۔“
 ☆ ☆ ☆
 صرف آیان تھا جو میکوسی سے ٹی وی دیکھ رہا تھا۔ اما نے اسلام آباد سے سارہ کو بلا لیا تھا۔ پاپا اما اور سارہ کافی دیر سے اس کی اور صوفیہ کی متوقع مہنگی کو ڈسکس کر رہے تھے۔
 مہراں اب ٹاپ کھولے بے مقصد فضول سے آن لائن گیمز کھیلتا رہا تھا۔ اسے رہ رہ کر صوفیہ پر غصہ آ رہا تھا۔ کیا ضرورت تھی انکل شیراز کی کنواری بیٹی ہونے کی۔ نہ وہ ہوتی نہ اس پر اتنا دیاؤ ڈالا جاتا اس سے شادی پر۔ وہ آرام سے انتظار کرتا رہتا وہ برے برے منہ بنا رہا تھا۔
 ”پاپا! آپ انکل سے کہہ دیں ہم کل آئیں گے ان کے گھر۔“ سارہ نے شاید سب معاملات نبٹا لیے تھے۔

آیان نے اسے آنکھ ماری۔
 ”ٹھیک ہے۔“ پاپا نے فون ہاتھ میں پکڑا۔
 ”بیٹا! فرقان کا انتظار کر لیتے ہیں۔“ اما نے سارہ کے شوہر کا نام لیا۔
 ”اما! وہ ایک ہفتے تک نہیں آسکتے۔ کیا ضرورت ہے ان کا انتظار کرنے کی۔“
 ”میرا خیال ہے اس کا انتظار کر لینا چاہیے۔“ مہراں نے زور دے کر کہا۔
 ڈاکٹر خاور فون ہاتھ میں لیے باری باری دونوں کی طرف دیکھ رہے تھے۔ ”بیٹا بیٹا سارہ! میں کیا کروں۔“
 ”پاپا! آپ کیسے نہیں فون۔“
 ڈور بیل کی آواز صرف آیان نے ہی سنی۔ ناچار ایسے ہی اٹھنا پڑا لیکن جنت پہلے ہی دروازہ کھول چلی تھی۔
 ”ہمیں ڈاکٹر خاور سے ملنا ہے۔ انہوں نے ہماری بہت مدد کی تھی میری بہن کو اپنے گھر میں رکھا تھا جب۔“
 لاؤنج میں بیٹھے مہراں نے لیپ ٹاپ ایک طرف پھینکا اور لپک کر دروازے تک آیا۔
 آیان انہیں اندر لا رہا تھا۔ مہراں وہیں کھڑا ہو گیا اور معاذ کے پیچھے چھپنے کی ناکام کوشش کرتی حرا۔
 سفید کرنا اور چوڑی دار پا جاے۔ میں وہ پہلے سے زیادہ کیوٹ لگ رہی تھی۔ لاؤنج میں بیٹھے سب ان کی طرف دیکھنے لگے ڈاکٹر خاور حرا کو پہچان کر فوراً اٹھے۔ فون ابھی ان کے ہاتھ میں ہی تھا۔
 جب وہ باری باری سب کو سلام کر رہی تھی تو اس تک آکر رک گئی۔ دونوں نے ایک دوسرے کو مسکرا کر دیکھا۔ پکلی بار!!!
 وہ دونوں جان گئے تھے کہ وہ دونوں ایک دوسرے کے لیے کیا بن چکے ہیں۔!

